شرط جمعہ "اذن عام" کی توضیح و تنقیح بنام
اذن عام
چند اصولی مباحث
باحث:
فیضان سرور مصباحی
جامعۃ المدینہ - نیپال
ناشر:
زم زم اکیڈمی، مبارک پور
تقسیم کار: روشن مستقبل، دھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
شرط جمعہ ”اذن عام“ کی توضیح و تنقیح بنام
اذن عام
چند اصولی مباحث
باحث:
فیضان سرور مصباحی
جامعۃ المدینہ-نیپال
ناشر
زمزم اکیڈمی، مبارک پور
تقسیم کار: روشن مستقبل، دھلی

نام کتاب : اذن عام - چند اصولی مباحث
نام مؤلف : محمد فیضان سرور مصباحی
حروف ساز : ابوہریرہ رضوی مصباحی، ثناء اللہ مصباحی
تزئین کار : کمال احمد عطاری مصباحی
تعداد صفحات : ۱۳۵
سال اشاعت : ۲۰۲۰ء
بموقع : لاک ڈاؤن - عالمی وبا کورونا وائرس (COVID-19)
ناشر : زم زم اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ
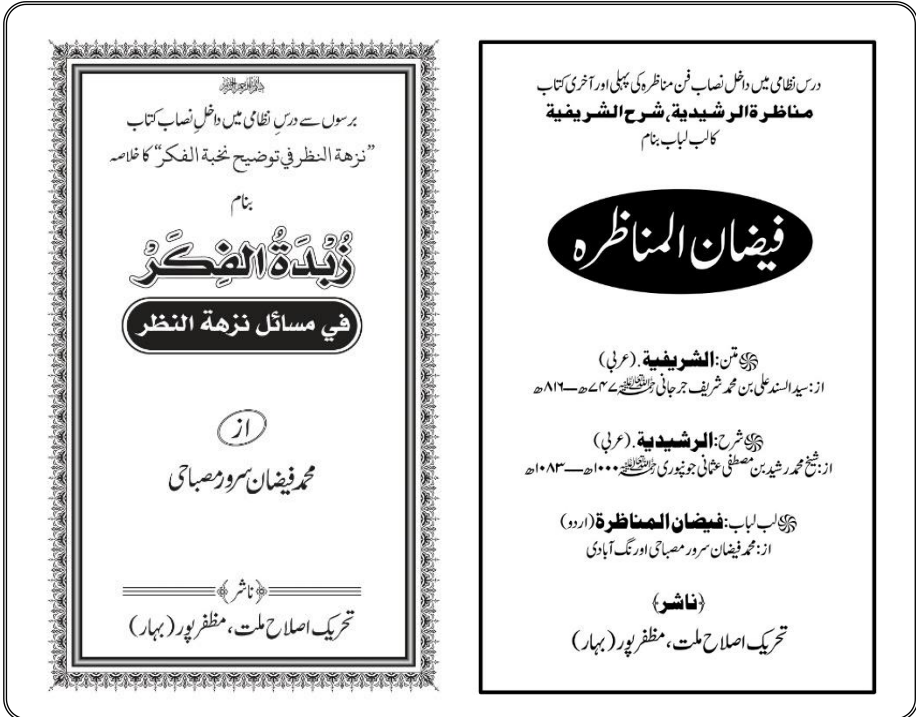
شرف انتساب

آبروے اہل سنت، مینارِ رشد و ہدایت، نشانِ حافظ ملت، مادر علمی

"الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور"

کے نام

جو اپنے فرزندوں میں علم و تحقیق کا شعور پیدا کر کے
زمانے کے چیلنجز سے مقابلے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔

اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زارِ تو ام
وگر کُشادہ جبینم، گُلِ بہارِ تو ام

نیاز مند:

فیضان سرور مصباحی

جامعۃ المدینہ ـــــ نیپال

آئینۂ کتاب

ضمیمہ

حرف آغاز

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على

سيد الأنبياء والمرسلين، أما بعد:

عالمی وبا کرونا وائرس (COVID-19) کے بڑھتے خطرناک اثرات کے پیش نظر آج ماہ دوماہ سے دنیا بھر میں حیرت ناک اور پر ہول سناٹا چھایا ہوا ہے۔ سبھی ڈاکٹروں، سائنس دانوں اور دانش وروں نے اس نکتے پر اتفاق کر لیا ہے کہ اس وبا کی باضابطہ دوا فوری طور پر دریافت ہو پانا مشکل ہے؛ لہٰذا روکنے کی سب پہلی تدبیر اور سبیل یہ ہے کہ بھیڑ بھاڑ والے مقامات کو بند کر کے لوگوں کو تنہا تنہا اور الگ تھلگ رہنے کا پابند بنا دیا جائے۔ پھر کیا تھا، دنیا مرتی کیا نہ کرتی، آناً فاناً اس پر عمل کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ گویا چلتی پھرتی، بلکہ دوڑتی اور اڑتی ہوئی دنیا میں اچانک بریک لگ گیا۔ اور تب سے اب تک ہر طرف خاموشیوں کا پہرہ ہی پہرہ ہے۔

ادھر مسلم مذہبی علاقوں سے مسلسل سوال پوچھا جانے لگا کہ جب بھیڑ لگانے کی اجازت نہیں، اور ہماری نمازِ جمعہ بغیر اجتماع وازدحام کے منعقد ہی نہیں ہوتی۔ تو پھر کیا، کیا جائے؟

شاید تاریخ کا یہ پہلا ایسا سانحہ ہو کہ پوری دنیا کی اتنی بڑی آبادی میں بسنے والے تمام تر فرزندانِ توحید عمومی طور پر نماز جمعہ پڑھنے سے روک دیے گئے ہیں۔ ہاں کسی طرح ''مسجد آباد رہے۔'' اس حیلے کے پیش نظر کڑی شرطوں کے ساتھ بعض ممالک یا علاقوں میں بہت تھوڑے افراد کو نماز جمعہ قائم کرنے کی اجازت ملی ہے۔

اس پر جہاں مختلف قسم کے ردعمل سامنے آئے، وہیں صاحبان فقہ و افتا کے مابین ''اذن عام'' کے نام پر ایک نئی بحث کا آغاز ہو گیا۔ کہ ایسی صورت حال میں جب کہ بعض جگہ فقط پانچ - یا - دس - یا پندرہ ہی لوگوں کو جمع ہونے کی اجازت دی گئی، نماز جمعہ کے وقت جمعہ کی شرط ''اذن عام'' کا تحقق کس طرح ہو سکتا ہے؟

اور اب یہ صورت حال دیکھنے کو مل رہی ہے کہ ایک خالص فقہی معاملہ اپنے دائرۂ بحث سے نکل کر نزاع وجدل کی دہلیز پر قدم رکھ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر فرمائے۔ ہمیں ہر طرح کی آفات وبلیات اور وباؤں سے بچائے۔ اور نیکیوں پر استقامت کے ساتھ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

اس اختلاف کی اہم اور بنیادی وجہ جو میں سمجھ سکا یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں اس موضوع سے متعلق بنیادی معلومات ایک حد تک غیر واضح اور مبہم ہیں۔ دوسری بڑی آزمائش کی بات یہ ہے کہ اس موضوع پر بحثیں فقہ حنفی کی کتابوں میں یکجا نہیں ہیں۔ ایک شرط کسی کتاب میں، تو اس شرط کی وضاحت کسی دوسری کتاب میں ملتی ہے۔ ایک جگہ کوئی بات مطلق انداز میں کہی گئی ہے تو کسی اور کتاب میں اس کے قیود پر تنبیہ ملتی ہے۔ کئی کتابیں دیکھے بغیر کسی حتمی نتیجے پر پہنچنا بہت مشکل امر ہے۔

اس کشمکش اور نزاعی صورت حال سے نکلنے کی تدبیر مجھے یہ سوجھی کہ فقہ حنفی کی مؤقر و مستند مختلف کتابوں میں مذکور ''اذن عام'' سے متعلق قیمتی ابحاث و قیودات اگر ایک جگہ جمع کر دیے جائیں تو ان کی روشنی میں کسی صحیح اور درست نتیجے تک پہنچنا آسان ہو سکتا ہے۔

بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ''اذن عام'' سے متعلق مستند کتابوں کی زینت بنے ابحاث کے مطالعے کے بعد اپنے طور میں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، اب اسے ارباب فقہ وافتاء کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ کے قیمتی فتاویٰ و حواشی قدم قدم پر راہ نما ثابت ہوئے۔ ہم نے ذاتی طور پر بھی بارہا محسوس کیا کہ آپ کی تمام تر تحریریں علم و تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہیں۔ متعلقہ بحث میں ''جدالممتار'' سے بھی خوب استفادہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ کاش تنویرالابصار، در مختار اور ردالمحتار کے ساتھ ہی ''جدالممتار'' کی اشاعت بھی عمل میں آجاتی تو استفادہ اور بھی آسان ہو جاتا، اور عرب دنیا کی موجودہ نسل بھی امام احمد رضا محقق بریلوی کی علم و

تحقیق کا خیرات پا لیتی۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرا۔

ابحاث کے دوران چند مقامات پر قند مکرر کی بھی چاشنی ملے گی۔ دراصل فقہاے کرام کی عبارتوں میں سے کچھ میں ایسا ہونا لازمی تھا کہ جہاں ایک عبارت سے مختلف انداز میں بحث کی گئی ہو، وہاں تعدد سے مَفر کہاں؟ مگر بحمدہ تعالیٰ اس اسلوب میں شعوری یا لاشعوری طور پر امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ کے اسلوب کی پیروی کی سعادت مل گئی ہے۔

اپنے موضوع پر اس قدر شرح وبسط کے ساتھ اردو زبان میں شاید یہ پہلی تحریر ہو۔ اس کے مشمولات اپنے اندر کچھ انفرادیت بھی لیے ہوئے ہیں۔ جس کو دوران مطالعہ اہل علم محسوس فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔

اس میں حسن وخوبی کا جو بھی پہلو نظر آئے، وہ سب فضلِ خداوندی اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فیضانِ تربیت کا نتیجہ ہے۔ اور اخذ نتیجہ میں کوئی چوک نظر آئے تو اسے میرے فہم نارسا کے قصور پر محمول کیا جانا چاہیے۔ اس حوالے سے میں ذی علم افراد سے خیر خواہانہ انداز میں قیمتی ہدایات وتنبیہات کا ملتجی ہوں۔

والسلام

فیضان سرور مصباحی

۷/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

اذن عام - ایک جامع تعارف

جمعہ کی ادائیگی صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جمعہ ادا کرنے والے افراد بوقت جمعہ دیگر برادران اسلام کو بھی عمومی اجازت اور کھلی چھوٹ دے رکھیں، کہ وہ آکر ساتھ میں نماز جمعہ ادا کر سکیں۔ اس کشادہ قلبی کو فقہ حنفی میں "اذن عام" کا نام دیا گیا ہے۔

فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں "اذن عام" کی تعریف مختلف انداز میں کی گئی ہے۔ اور پھر ان تعریفات پر تعلیقات اور قیودات مستقل حصۂ بحث ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم نے آسانی کی خاطر ان کی روشنی میں ایک نئی اور جامع تعریف ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ جسے تعریف کے بجائے "تعارف" کہنا ہی بجا ہو گا۔ بہر حال پہلے ہم اسے ذکر کر رہے ہیں:

الإذن العام:

هوالإذن من المقمين للجمعة، وقتها، بأداء صلوتها، لكل من تصح منه، إذناعاما، صراحتاً أو دلالة، وهم يعلمون بذالك ، على سبيل الإشتهار ؛ بأن لا مانع لأحد منهم من دخول الموضوع الذى يصلح لها، عن الصلوة، لالخوف الفتنة، أو الضرر ـــــــ یعنی: یعنی اذن عام یہ ہے کہ مقیمان جمعہ، وقتِ جمعہ، برائے نمازِ جمعہ ہر اس شخص کو عمومی اجازت دیں جس کی طرف سے نماز جمعہ کی ادائیگی صحیح ہو سکے۔ خواہ یہ عمومی اجازت صراحتًا ہو، یا دلالۃً۔ اور اس عمومی اجازت کو لوگ جان بھی رہے ہوں۔ اور یہ عمومی اجازت بروجہ شہرت اس طریقہ پر ثابت ہو کہ اہل جمعہ میں سے کسی ایک فرد کے لیے بھی اذن عام کی صلاحیت رکھنے والی جگہ میں، نماز کی خاطر، داخلے پر کوئی روک نہ ہو۔ ہاں! کسی فتنہ یا ضرر کا اندیشہ ہو تو روکا جا سکتا ہے۔

اب "اذن عام" کی اس شرط اور تعریفِ جدید میں مذکور چند اہم قیدوں کے مالہ وماعلیہ پر بحث و تمحیص کی کوشش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حق وصواب اور درست نتیجے تک پہنچنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

جمعہ-ایک عظیم شعار اسلام

جمعہ ایک شعار اسلام ہے، جس میں مسلمانوں کا اجتماعِ عظیم شوکتِ اسلام ومسلمین کا خوبصورت منظر پیش کرتا ہے۔ اس خصوصیت کے پیش نظر ان تمام امور سے گریز کا حکم دیا گیا ہے، جو مسلمانوں کی جمعیت منتشر کرتے ہوں، اور جن سے اس شان وشوکت میں خلل پڑتا ہو۔

چناں چہ:

- دیہات میں جمعہ کی اجازت نہ دی گئی، اور شہر کے لیے اس کو خاص رکھا گیا، تاکہ شہر اور اس کی رونقیں اس میں مُمِدّ ومعاون ثابت ہوں۔

ملک العلماء امام علاؤالدین ابوبکر کاسانی حنفی (متوفیٰ:۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

الجمعة من أعظم الشعائر، فتختص بمكان إظهار الشعائر، وهو المصر. [البدائع الصنائع ،ج :۲ ، ص : ۱۸۹ ، دار الكتب العلمية بيروت]

یعنی جمعہ عظیم شعار اسلام میں سے ہے؛ لہٰذا اس کے لیے اس علاقے کو خاص کیا گیا، جو شعار اسلام کے اظہار کا مقام بن سکے۔ اور وہ شہر ہے۔

- شہر ہونے کے باوجود جامع مسجد کے سوا دیگر پنج گانہ نماز والی مسجدوں کو جمعہ کے وقت بند رکھنے کا حکم دیا گیا، تاکہ جمعہ میں شرکت کے بجائے لوگ یہیں اکٹھا نہ ہو جائیں۔

علامہ زین الدین بن نجیم مصری (متوفیٰ:۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

المساجد تُغلق يوم الجمعة ، إلا الجامع ؛ لئلا يجتمع فيها جماعة. [البحر الرائق شرح كنزالدقائق، ج: ۲ ، ص : ۲٦۹ و۲۷۰، دار الكتب العلمية بيروت]

یعنی: جامع مسجد کے علاوہ مسجدیں بند کردی جاتی ہیں تاکہ ان میں کوئی جماعت جمع نہ ہو سکے۔

- شہرِ واحد میں بلاوجہ متعدّد جمعہ کے قیام سے منع کیا گیا کہ خواہ مخواہ اس سے جماعت پراگندہ ہوگی، اور مختلف جگہوں پر لوگ پھیل جائیں گے تو وہ شوکتِ اسلام نظر نہ آئے گی۔

علامہ شیخ محمد ابراہیم بن حلبی (متوفی ۹۵٦ھ) امام ابو یوسف کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ألا! إن إقامة الجمعة من أعلام الدين؛ فلا يجوز تقليله، وفي إقامتها بأكثر من موضعين تقليلها. [غنية المتملي في شرح منية المصلي ، فصل في صلاة الجمعة ، ص : ١٥٥ ، ناشر: عارف آفندی ، سند اولنمشذز]

سنو! جمعہ قائم کرنا دین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اور شعار اسلام میں کمی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور دو سے زیادہ مقام پر جمعہ قائم کرنے میں تقلیل شعار لازم آتا ہے۔

نوٹ: دفع حرج اور حاجت کے پیش نظر شہرِ واحد میں تعدد جمعہ کی اجازت دی گئی ہے۔

- جن پر جمعہ فرض نہیں انہیں بھی جمعہ کے دن، ظہر کی نماز پنج گانہ، جماعت کے ساتھ، مسجدوں میں، یا گھروں میں پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کہ کہیں اس کی وجہ سے لوگ سستی کا شکار ہو کر جمعہ میں جانے سے رہ نہ جائیں؛ کہ اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت میں کمی لازم آئے گی۔

ابو الاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی: ۱۰٦۹ھ) لکھتے ہیں:

وفي أداء الظهر بجماعة قبل الجمعة وبعدها تقليلاً للجماعةفي الجامع ؛ لأنه قد يقتدى به غيره. [إمداد الفتاح ، فصل في الجمعة ، ص: ٥٧٤ ، مؤسسة التاريخ العربي بيروت]

یعنی: جمعہ سے پہلے، یا بعد میں، نماز ظہر با جماعت کی ادائگی مکروہ ہے، کہ اس سے جامع مسجد میں ہونے والی نماز جمعہ کی جماعت میں کمی پیدا کرنے کی صورت بنتی ہے۔ کہ کبھی غیر معذور بھی معذور کی اقتدا کرلے گا (اور یوں جمعہ میں جانے سے رہ جائے گا۔)

- شہر میں، جمعہ کے دن، جمعہ کے وقت، جمعہ کی جماعت کے علاوہ، کسی اور جماعت کی اجازت نہ دے گئی؛ کہ جمعہ کی جماعت — جو کہ شعار مسلمین ہے — چھوڑ کر لوگ ظہر کی جماعت کا اہتمام کرلیں گے۔ تو یہ "معارضہ بروجہ مخالفت" کی صورت بن جائے گی۔

علامہ ابن عابدین شامی (متوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وصورة المعارضة: لأن شعار المسلمين في هذا اليوم صلاة الجمعة، وقصد المعارضة لهم يؤدي إلى أمر عظيم, فكان في صورتها كراهة التحريم.

[حاشية ابن عابدين ، قسم العبادات ، ج: ٥ ص: ٦٨ ، دارالثقافة والتراث ، دمشق]

یعنی: یہاں معارضہ کی صورت یوں ہے کہ اس دن نماز جمعہ مسلمانوں کا شعار ہے، اور اس سے ہٹ کر ان کی جماعت ایک سنگین معاملے کا سبب بنے گی؛ لہٰذا یہ مکروہ تحریمی کی صورت ہوئی۔

شرائط جمعہ اور اذن عام

اسی پر بس نہیں بلکہ کسی شہر میں جمعہ کے قیام کے حوالے سے چھ کڑی شرطیں بھی رکھی گئی ہیں، کہ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو جمعہ نہ ہوگا، یہ سب اس لیے ہوا تاکہ اس شعارِ اسلام کے شایان شان اہتمام ہو سکے۔ ان شرطوں کی ایک اجمالی فہرست حاضر ہے:

(۱)-مصر یا فنائے مصر

(۲)-سلطان اسلام، یا اس کا قائم مقام

(۳)-وقت ظہر

(۴)-خطبۂ جمعہ

(۵)-جماعت

(۶)-اذن عام

سردست ہمارا مطمح نظر "اذن عام" ہے۔ اور اس رسالے میں اسی کے بارے میں گفتگو کی جائے گی۔

اذن عام:

وقت جمعہ، تمام اہل جمعہ کو حاضریٔ جمعہ کی عمومی طور پر اجازت ہو، چناں چہ مسجد کا دروازہ کھول دیا جائے کہ جس کا جی چاہے جمعہ میں شریک ہو سکے۔

اذن عام شرط کیوں ہے؟ اس پر دلائل دیتے ہوئے ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی (متوفیٰ: ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

(۱)-وإنما كان هذا شرطا؛ لأن الله تعالى شرع النداء لصلاة الجمعة، بقوله: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ" والنداء للإشتهار. [البدائع الصنائع، ص: ۲۱، دار الكتب العلمية بيروت]

نماز جمعہ میں اذن عام شرط ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ کے لیے ندا کا طریقہ رکھا ہے۔ اپنے فرمان: ''اے ایمان والو! جب نماز کے لیے اذان کہی جائے تو ذکر اللہ کی طرف نکل پڑو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو'' کے ذریعے، اور ندا جمعہ کی شہرت وعام اطلاع ہی کے لیے ہے۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ جمعہ میں لغوی اعتبار سے بھی دیکھیں، تو جمع ہونے کا معنی موجود ہے؛ لہٰذا یہ معنیٔ جمع سے خالی ہوکر نہیں پایا جاسکتا، جس کے لیے اذن عام کے بغیر چارہ نہیں۔

هذه الصلاة تسمى جمعة، فلا بد من لزوم معنى الجمعة، اعتباراً بالمعنى الذي أخذ اللفظ منه من حيث اللغة، كما في الصرف، والسلم، والرهن، ونحو ذلك. [أيضا ، ص: ٢٠٥]

یعنی اس نماز کا نام جمعہ رکھا گیا ہے، تو اس معنی کا اعتبار کرتے ہوئے -لغوی اعتبار سے- جس سے لفظ بنایا گیا ہے معنیٔ جمعہ کا لزوم ضروری ہوگا، جیسا کہ بیع صرف، بیع سلم اور رہن وغیرہ میں ہوتا ہے۔

(۲)-تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها، فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور. (أيضا ، ص: ٢١٣)

یعنی: اور اس لیے بھی اذن عام کی شرط ہے کہ اس کا نام جمعہ اسی لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں متعدّد پنج گانہ جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام تر جماعتوں کو عمومی طور پر حاضری کی اجازت ہو تاکہ معنیٔ اسمی کا ثبوت ہوسکے۔

(۳)-مراقی الفلاح میں ہے:

الإذن العام ... لأنها من شعائر الإسلام، و خصائص الدين، فلزم الإقامة على سبيل الإشتهار والعموم.

یعنی: اذن عام جمعہ کی شرط اس لیے ہے کہ جمعہ شعائر اسلام اور دین کی خصوصیات میں سے ہے؛ لہٰذا اطلاع عام و عمومی اجازت کے طور پر اس کا ہونا لازم ہے۔

اس پر اپنے حاشیہ میں علامہ سید محمد احمد طحطاوی حنفی (متوفیٰ:۱۲۳۱ھ) لکھتے ہیں:

أي: وقد شرعت بخصوصيات لاتجوز بدونها. والإذن العام، والأداء على سبيل الشهرة من تلك الخصوصيات. ويكفي لذلك فتح أبواب الجامع للواردين. [حاشية الطحطاوي على المراقي ، ص: ٥١٠ ، فصل في صلاة الجمعة ، دار الكتب العلمية بيروت]

یعنی: جمعہ کو شریعت کا حصہ بنایا گیا ہے، چند ایسی خصوصیات کے ساتھ، کہ ان کے بغیر جمعہ کی اجازت نہیں ہوسکتی، عمومی اجازت و شہرت والا انداز انہی خصوصیات کا حصہ ہے۔ اور اذن عام کے لیے جامع مسجد کے دروازے کا کھول دینا ہی کافی ہے۔

ظاہر الروایہ اور اذن عام

واضح رہے کہ اذن عام کی شرط ظاہر الروایہ میں مذکور نہیں ہے، بلکہ نوادر سے لی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ظاہر الروایہ جس کے بارے میں خاموش ہو، اس کو نوادر کی بنیاد پر شرط نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر کاسانی حنفی (متوفیٰ: ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

وذكر في النوادر شرطا آخر لم يذكر في ظاهر الرواية، وهو أداء الجمعة بطريق الإشتهار. [البدائع الصنائع، ج : ٢، ص : ٢١٣ دار الكتب العلمية بيروت]

یعنی: نوادر میں ایک اور شرط ہے جس کا ذکر ظاہر الروایہ میں نہیں، اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی ادائگی اشتہار و عمومی اجازت کے طریقے پر ہو۔

خاتمۃ المحققین علامہ محمد امین ابن عابدین شامی (متوفی: ۱۲۵۲ھ) نے بھی "ردالمختار" میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی (متوفیٰ: ۱۳۴۰ھ) نے جو حاشیہ لگایا ہے؛ وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

قوله: لم يذكر في ظاهر الرواية : ــــ قلت: وعدم الذكر ليس ذكر العدم. و لاريب في العمل برواية النوادر فيما لم تخالف ظاهر الرواية؛ فلذا جزمت به المتون مع وضعها لنقل المذهب. [جدالممتار ، ج: ٣، ص : ٥٩٥ - ٥٩٦، مكتبة المدينة كراتشي]

یعنی: علامہ شامی نے جو نقل فرمایا کہ یہ "اذن عام" ظاہر الروایہ میں مذکور نہیں۔ اس پر میرا کہنا ہے: عدمِ ذکر، ذکرِ عدم نہیں ہوتا۔ (یعنی ظاہر الروایہ میں ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ظاہر الروایہ نے اس شرط کے نہ ہونے کا تذکرہ کر دیا ہے) اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ روایات نادرہ پر بھی عمل ہوتا ہے۔ جب کہ وہ ظاہر الروایہ کے مخالف نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ متونِ مذہب حنفی میں اس کو جزماً بیان کیا ہے، باوجودیکہ ان کی وضع نقلِ مذہب کے لیے ہوئی ہے۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ: ظاہر الروایہ میں نہ ہونا قادح نہیں ہے۔ متونِ مذہب حنفی میں جزماً مذکور ہونا اس کے شرط ہونے کی دلیل ہے۔ اور ایسے مقام میں نوادر پر بھی عمل لازم ہوتا ہے۔ جب کہ ظاہر الروایہ کے مخالف نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تعدد جمعہ اور اذن عام

شہر واحد میں خواہ ایک جمعہ ہو یا متعدّد، ہر ایک کے لیے "اذن عام" کی شرط ہوگی۔ اور اس حوالے سے علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے جو مختلف رائے پیش کی ہے، وہ ان کا تفرد ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علامہ شامی "کافی، شرح وافی" کی عبارت ذکر کر کے "قلت" سے ایک نتیجہ ذکر کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر شہر واحد میں کئی جگہ جمعہ منعقد ہو تو اذن عام کی شرط کی حاجت نہ رہے گی۔ ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، وذا لا يحصل إلا بالإذن العام، اهـ.

قلت: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا ؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل، تأمل.

[رد المحتار، ٥/ ٥٢ دار الثقافة والتراث دمشق]

یعنی: جمعہ میں سلطان اسلام کی شرط لوگوں کی نماز جمعہ چھوٹنے سے بچانے کے لیے ہے۔ اور یہ اذن عام ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

میرا کہنا ہے کہ: یہاں پر محل نزاع وہ صورت ہونی چاہیے چاہیے، جہاں صرف ایک ہی مقام پر جمعہ قائم ہو، اور اگر متعدّد جمعہ قائم ہوں؛ تو نہیں، اس لیے کہ ایسے میں جمعہ چھوٹنے کی صورت نہیں بنتی۔ جیسا کہ "کافی" میں علت بیانی سے اسی بات کا فائدہ ملتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی نے علامہ شامی کی "قلت" سے اختلاف کرتے ہوئے، فتاویٰ شامی پر اپنے حاشیہ کے تحت "أقول" لکھ کر بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے۔ جب کہ فتاویٰ رضویہ میں اختصاراً اس نظریے کی تردید فرمائی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”اور اذن عام فی نفسہٖ شرط جمعہ ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ قول کسی سے نقل نہ فرمایا، بلکہ یہ ان کا اپنا خیال ہے جسے وہ قُلتُ: سے شروع فرماتے ہیں اور خود اُن کو بھی اس پر وثوق نہیں کہ آخر میں "تامل" کا حکم فرماتے ہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہل بحث نہیں، ان کی بحث کا؛ اگر مسئلۂ منصوصہ کے خلاف ہونا معلوم نہ بھی ہو، تاہم وہ ایک بحث ہے، جو حجت نہیں ہوسکتی، نہ کہ جب ان کی بحث مخالفِ منقول و منصوص واقع ہے، کہ ایسی بحث تو امام ابن الہمام کے بھی منقول نہیں ہوتی، جس کی خود علامہ شامی نے جابجا تصریح فرمائی۔ کما بيناه فی کتابنا "فصل القضاء فی رسم الإفتاء"

براہ بشریت یہ بحث اسی طرح واقع ہوئی، فقیر نے ردالمختار پر اپنی تعلیقات میں اس مسئلہ کی بحث تمام کردی ہے۔ اس میں سے یہاں صرف یہ چند کلمات کافی ہیں کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاسانی کتاب مستطاب ”بدائع“ اور ان کے سوا اور ائمہ اپنی تصانیف میں اور ان سب سے امام ابن امیر الحاج ”حلبہ“ میں نقل فرماتے ہیں:

السلطان إذا صلى في داره والقوم مع أمراء السطان في المسجد الجامع قال: إن فتح باب داره جاز، وتكون الصلٰوة في موضعين، ولو لم يأذن للعامة وصلى مع جيشه لاتجوز صلٰوة السلطان، وتجوز صلٰوة العامة.

دیکھو یہ نص صریح ہے اجلۂ ائمہ کی نقل اور محرر مذہب امام محمد سے بلا خلاف منقول، کہ قلعہ سے باہر بھی جمعہ ہوا اور قلعہ میں بھی سلطان نے پڑھا، اگر قلعہ میں آنے کا اذن عام دیا تھا؛ تو دونوں جمعے صحیح ہوگئے، ورنہ باہر کا جمعہ صحیح ہوا، اور قلعہ کا باطل، صاف ثابت ہوا کہ اذن عام فی نفسہٖ شرطِ صحتِ جمعہ ہے، اگرچہ جمعہ متعدّد جگہ پایا جائے اور تفویت لازم نہ آئے، وليس بعد النص إلا الرجوع إليه.“[فتاویٰ رضویہ، ج:٦، ص: ٢٩٢، ٢٩٣، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فتاوی شامی پر اپنی تعلیق میں جو شرح وبسط کے ساتھ کلام

ہے، ہم یہاں پر اسے ترجمہ کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ پھر اخیر میں خلاصۂ بحث لکھنے کی کوشش ہوگی:

أقول: لقائل أن يقول: يشترط الإذن العام وإن أقيمت في مواضع، حتى لو صلى أهل كل حي في مسجدهم أو دورهم و غلقوا الأبواب ومنعوا من الدخول لم يجز لأحد منهم لما مرّ عن "البدائع": «أن الشرط أن تكون الجماعات كلهم مأذونين» وصلاتهم في مساجدهم إنما تستلزم عدم الحضور وليس بشرط. كما قال في "الكافي": «جازت صلاتهم شهدتها العامة، أو لا» فإن عدم شهودهم يشمل ما إذا صلوا في مساجدهم فلم يحضروا دار السلطان بل هو الأظهر وقوعا ، كما لا يخفى، فافهم. ١٢

میں کہتا ہوں: کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اذن عام شرط ہے اگرچہ جمعہ چند مقامات پر قائم کیا جائے، یہاں تک کہ ہر محلہ والوں نے اپنی اپنی مسجدوں میں یا مکانوں میں نماز جمعہ ادا کی؛ اس حال میں کہ دروازے بند کر دیے تھے، اور داخلے سے روک دیا تھا؛ تو ان میں سے کسی کی بھی نماز نہ ہوئی۔ اس دلیل کے پیش نظر جو "بدائع" کے حوالے سے گزری، یعنی: شرط یہ ہے کہ شہر کی متعدّد پنج گانہ جماعتوں میں سے سبھی کو حاضری کی اجازت دی گئی ہو۔

محلہ والوں کا اپنی اپنی مسجدوں میں نماز قائم کرنا بلاشبہ اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسری مساجد میں حاضر نہ ہوں گے، اور حاضری شرط بھی نہیں، جیسا کہ "کافی" میں فرمادیا: ان کی نماز درست ہے۔ عامۃ الناس شریک ہوں، یا نہ ہوں؛ کیوں کہ لوگوں کی غیر حاضری شامل ہے اس صورت کو کہ لوگ جب اپنی مسجدوں میں نماز پڑھ لیں گے تو لامحالہ قصر شاہی میں حاضر نہ ہوں گے۔ بل هو الأظهر وقوعا ، كما لا يخفى، فافهم. ١٢

ومن الدليل على ما بحثنا أن العلماء الذين اعتمدوا جواز التعدد من دون تحديد صرحوا أيضا باشتراط الإذن العام، فكيف يقال: بأنه مختص بما

إذا لم تقم إلافي محل واحد. فليتأمل وليراجع ، والله تعالى أعلم. ١٢

اور جن دلائل سے ہماری بحث ہے ان میں سے ایک یہ بھی کی وہ علمائے احناف جنھوں نے بغیر کسی حد بندی کے شہر واحد میں تعدد جمعہ کے جواز پر اعتماد کیا ہے؛ انہوں نے بھی اذن عام کی شرط لگانے کی صراحت فرمائی ہے۔ تو آخر کیسے کہہ دیا جائے کہ اذن عام کی شرط اس صورتحال کے ساتھ خاص ہے جب کہ صرف ایک ہی مقام پر جمعہ قائم ہو۔ فليتأمل وليراجع، والله تعالى أعلم. ١٢

و قوله: لا يتحقق : ثم - بحمد الله تعالى - وجدت النص على ما بحثت من العلامة عبد البر بن الشحنة ؛ فإن له رحمه الله تعالى "رسالة" في عدم صحة الجمعة بقلعة القاهرة؛ لأنها تقفل وقت صلاة الجمعة وليست مصرا على حدتها، كما نقله عنه الشرنبلالي في "مراقي الفلاح"، ومعلوم أن في مصر خارج باب القلعة عدة جوامع، في كل منها خطبة وجمعة ، كما ذكره الشرنبلالي أيضا، فهذا نص من العلامة -رحمه الله تعالى- على عدم صحة الجمعة عند عدم الإذن العام وإن كانت تقام بمواضع عديدة.

پھر - بحمد اللہ تعالیٰ - جستجو کے مطابق مجھے علامہ عبد البر بن شحنہ کی جانب سے اس پر صراحت ملی، کیونکہ قاہرہ کے قلعے میں جمعہ صحیح نہ ہونے کے موضوع پر آپ - رحمۃ اللہ تعالی علیہ - کا ایک مستقل رسالہ ہے، وہاں نماز جمعہ کے وقت قلعے میں تالا ڈال دیا جاتا تھا، اور الگ سے کوئی اور شہر نہ تھا۔ جیسا کہ علامہ شرنبلالی نے علامہ ابن شحنہ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔ اور یہ بھی معلوم کہ قلعۂ قاہرہ کے باہر شہر میں چند جامع مسجد تھیں، اور ان میں سے ہر ایک میں خطبہ اور جمعہ ہوتے تھے۔

تو یہ علامہ ابن شحنہ - رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ - کی جانب سے اس بات پر نص اور صراحت ہے کہ جب اذن عام معدوم ہو تو نماز جمعہ صحیح نہیں، اگر چہ جمعہ شہرِ واحد میں متعدّد جگہوں پر قائم

کیا جاتا ہو۔

نعم! نازعه الشرنبلالي ذاهباً إلى مثل ما بحث السيد المحشي قائلا: «بأن في المنع نظرا ظاهرا ؛ لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصرَه اختصاصه بها، دون العامة. والعلة مفقودة في هذه القضية؛ فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة؛ لأن عند باب القلعة عدة جوامع في كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة، قال: وفي كل محلة من المصر عدة من الخطب، فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها» اه.

ہاں! محشی ”مراقی الفلاح“ سید طحطاوی حنفی کی بحث کے مثل علامہ شرنبلالی نے یہ کہتے ہوئے شیخ ابن شحنہ سے اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کی عدم صحت کا قول کرنے میں ایک نظر ظاہر ہے۔ اس لیے کہ قلعے میں تالابندی کی وجہ سے امام المسلمین کی نماز صحیح نہ ہونے کے قول کی علت: امام المسلمین کا نماز جمعہ کے ساتھ خاص ہوجانا ہے، اور ایسے میں جمعہ عام نہیں رہا۔

جب کہ اس معاملے میں یہ علت مفقود ہے؛ کیونکہ قلعہ اگرچہ تالابند ہو، حاکم جمعہ کے ساتھ خاص نہیں، اس لیے کہ قلعۂ قاہرہ کے دروازے کے پاس چند اور جامع مسجد ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں خطبۂ جمعہ ہوتا ہے۔ تو اس سے قلعہ میں داخلے کی ممانعت کے باوجود جمعہ فوت نہ ہوگا۔

امام شرنبلالی فرماتے ہیں: اور شہر کے ہر ایک محلے میں چند خطبۂ جمعہ موجود ہیں؛ لہٰذا قلعہ کے تالابند ہونے کی وجہ سے جمعہ نہ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

ورده العلامة الطحطاوي في "حاشيتها" بمثل ما ذهب إليه الفقير، فقال: «فيه نظر، فإن الناس لو أغلقوا باب مسجد وصلوها لا تجوز لهم؛ فالعلة عدم الإذن...إلخ»، فقد وافق بحث السيد المحشي نظر العلامة الشرنبلالي، وبحث العبد الفقير نظر العلامة الطحطاوي وهو ليس بدون الشامي، ومعنا تصريح

العلامة ابن الشحنة وليس الشرنبلالي كمثله، والله تعالى أعلم.

علامہ طحطاوی نے اپنے حاشیہ مراقی الفلاح میں یوں ہی علامہ شرنبلالی کے نظریے کی تردید فرمائی ہے، جس طرح فقیر (احمد رضا بریلوی) نے، چنانچہ علامہ طحطاوی کا ارشاد ہے:

علامہ شرنبلالی کی توجیہ محل نظر ہے؛ کیوں کہ لوگوں نے اگر مسجد کا دروازہ بند کر لیا اور نماز جمعہ پڑھی تو ان کا جمعہ نہ ہوا، اور نہ ہونے کی علت اذن عام کا مفقود ہونا ہے۔

تو اب دیکھیں! کہ سید محشی طحطاوی کی بحث میں علامہ شرنبلالی کے نظر کی موافقت ہے، اور بندۂ عاجز (احمد رضا بریلوی) کی بحث علامہ طحطاوی کی نظر کے موافق ہے۔ اور علامہ طحطاوی علامہ شامی سے کم نہیں، پھر ہمارے ساتھ علامہ ابن شحنہ کی صراحت موجود ہے۔ اور علامہ شرنبلالی علامہ ابن شحنہ کے پائے کے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ثم إن العبد -ولله الحمد- وجد النص القاطع لكل شك وريب، قال في "الحلبة" في بيان شرط الأداء بطريق الاشتهار -وهو المعتبر عنه بالإذن العام- ما نصه:

«هذا الشرط لم يذكرفي ظاهر الرواية وإنما ذكر في "النوادر" فإنه قال: السلطان إذا صلى في داره والقوم من أمر السلطان في المسجد الجامع قال: إن فتح باب داره جاز ،وتكون الصلاة في موضعين، ولو لم يأذن للعامة؛ وصلى مع جيشه لا تجوز صلاة السلطان، وتجوز صلاة العامة كذا في "البدائع" وغيرها» اهـ. فالحمد لله على تفهيم الحكم وإيضاح الحق.

پھر بندۂ عاجز نے -اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں- ایک نص پایا جو ہر شک و شبہ کی جڑ کاٹ دینے والا ہے۔

حلبہ میں بر سبیل اشتہار - جس کی تعبیر اذن عام سے کی جاتی ہے- ادائیگی جمعہ شرط ہونے کے بیان میں وہ نص یوں موجود ہے:

یہ شرط ظاہر الروایہ میں مذکور نہیں ہے، ہاں نوادر میں اس کا ذکر ہے، چناں چہ اس میں کہا کہ سلطان اسلام نے جب اپنے محل میں نماز جمعہ ادا کی اور لوگ اس کے حکم سے جامع مسجد میں تھے، تو اگر محل کا دروازہ کھول رکھا تھا تو سلطان کا جمعہ ہو گیا اور یہ نماز جمعہ دو مقام پر ہوئی۔ اور اگر اذن عام نہ دیا تھا اور اپنے لشکریوں کے ساتھ جمع ہو کر پڑھ لیا، تو سلطان کی نماز نہ ہوئی اور عامۂ مسلمین-جو کہ جامع مسجد میں تھے-کی نماز ہو گئی۔ ایسا ہی بدائع وغیرہ میں ہے . فالحمد لله على تفهيم الحكم وإيضاح الحق. [جد الممتار على رد المحتار ،ج: ٣، ص: ٥٩٧- ٦٠٠، مكتبة المدينة كراتشي]

خلاصہ گفتگو یہ ہے:

شہر واحد میں ایک جمعہ قائم ہو، یا کئی جگہ نماز جمعہ پڑھی جائے؛ سبھی پر لازم ہے کہ ''اذن عام'' کی شرط کے ساتھ پڑھیں۔ حتی کہ عوام نے سلطان کے حکم پر اپنا جمعہ ''اذن عام'' کے ساتھ پڑھا اور اسی علاقہ میں بادشاہ نے اپنے محل میں بغیر اذن عام کے پڑھا؛ تو بادشاہ کا جمعہ نہ ہوا۔ علامہ ابن شحنہ نے یہی فرمایا ہے۔ علامہ طحطاوی کی نظر اسی کی موافقت کرتی ہے۔ شہر واحد میں تعدد جمعہ کے قائلین نے بھی بلا قید اذن عام کی شرط رکھی ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانی کی پیش کردہ مثال سے بھی یہی ثابت ہے۔ اور تعلیماتِ سلف وصالحین کے ترجمان امام احمد رضا محقق بریلوی نے بھی اپنی تحقیق اور پر زور دلائل سے اسی کو ثابت فرمایا ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

غیر مکلفین جمعہ اور اذن عام

جن پر جمعہ فرض نہیں کیا انہیں روکنا بھی اذن عام کے خلاف ہے؟

ویسے ''اذن عام'' کا کلمہ ہی بتا رہا ہے کہ اجازتِ حاضریٔ جمعہ ''عمومی اجازت'' ہوگی۔ مگر یہ عموم کس طبقہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے۔ مکلفین جمعہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یا غیر مکلفین کی طرف نسبت کرتے ہوئے؟

امام محمد بن علی علاء الدین حصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ) نے ''کافی شرح وافی'' کے حوالے سے لکھا ہے:

وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين. [الدر المختار مع تنوير الابصار، ج:۳، ص: ۵۱، دارالثقافة والتراث ، دمشق]

یعنی: جامع مسجد کے دروازے آنے والوں کے لیے کھول دینے سے اذن عام حاصل ہوجائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے نزدیک ''واردین'' کے لیے عمومی اجازت ہونی چاہیے۔ یہ ''واردین'' اگر اپنے عموم پر ہو تو پھر کوئی مسئلہ نہیں۔ مگر علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی متوفی: ۱۲۳۱ھ نے جو ''مکلفین'' سے اس کی تشریح فرمائی ہے۔ اس سے یہ ایک بحث کا موضوع بن گیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

قوله: للواردين: أي: من المكلفين بها: فلا يضر منع نحو النساء لخوف الفتنة. [طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، باب الصلاة، ج: ۱، ۳۴۴، دار الکتب العلمیه بیروت]

یعنی: امام حصکفی نے جو ''للواردین'' فرمایا ہے۔ اس کا مطلب ''مکلفین'' ہے۔ یعنی وہ لوگ جن پر نماز جمعہ فرض ہے۔ انھیں آنے کی بالکل عمومی اجازت حاصل ہونی چاہیے۔ تب اذن عام ثابت ہوگا۔ لہٰذا خوف فتنہ کی وجہ سے اگر عورتوں کو نہ آنے دیا جائے، تو اس سے ''اذن

عام" پر کوئی فرق نہ پڑے گا، کیوں کہ عورتیں نماز جمعہ کی مکلف ہی نہیں۔

فقہ حنفی کے ایک عظیم فقیہ علامہ عبدالعلی بن محمد بن حسین برجندی (متوفی ۹۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی طرف سے نماز جمعہ صحیح ہوجائے؛ اس کے لیے "اذن عام" ضروری ہے:

الإذن العام بأن لا يمنع أحد ممن يصح الجمعة منه عن دخول الموضع الذي يصلى فيه. [شرح النقاية مختصرالوقاية، ص:٧٦، مخطوطه كامل]

یعنی: اذن عام اس طرح ہو کہ جن کی جانب سے نماز جمعہ صحیح ہوجاتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی روکا نہ جائے اس جگہ داخل ہونے سے، جہاں نماز جمعہ پڑھی جارہی ہے۔

بعض فقہاء کی عبارتوں میں "الإذن للناس كافة" اور "الإذن لأهل المصر" کے کلمات بھی ملتے ہیں۔ مگر بنظر غائر دیکھیے تو یہ سب علامہ برجندی والے موقف سے ملتی جلتی مختلف عبارتیں ہیں۔ گویا کہ اب دو قول ہوگئے:

۱-الإذن للمكلفين بالجمعة.

۲-الإذن ممن تصح منه الجمعة.

ان دونوں کلمات کے تحلیلی جائزے سے قبل دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں:

(ا)- شہری مسلمانوں میں ایک طبقہ وہ ہے جس پر جمعہ فرض ہے۔ اور علامہ سید احمد طحطاوی حنفی کے بقول وہ جمعہ کا "مکلف" ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر بیک وقت حسب ذیل گیارہ شرطیں موجود ہوں۔ کہ اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو وہ مکلف جمعہ نہ ہوں گے۔

۱-شہر میں مقیم ہو ــــ یعنی مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔

۲-صحت اچھی ہو ــــ یعنی مریض پر جمعہ نہیں۔

۳-آزاد ہو ــــ یعنی غلام پر جمعہ نہیں۔

۴-مرد ہو ــــ یعنی عورت پر جمعہ نہیں۔

۵-بالغ ہو ـــــ یعنی نابالغ پر جمعہ بلکہ کوئی نماز فرض نہیں۔

۶-عاقل ہو ـــــ یعنی پاگل اور مجنون جمعہ کا مکلف نہیں۔

۷-انکھیارا ہو ـــــ یعنی اندھے پر جمعہ نہیں۔

۸-چلنے پر قادر ہو ـــــ یعنی اپاہج پر جمعہ نہیں۔

۹-قید میں نہ ہو ـــــ یعنی قیدی جو مجبور ہو اس پر جمعہ نہیں۔

۱۰-بادشاہ-یا-چور وغیرہ کسی ظالم کا خوف نہ ہو ـــــ یعنی اگر خوفِ واقعی ہو تو جمعہ ساقط ہے۔

۱۱-سخت آندھی، ژالہ باری، یا تیز بارش نہ ہو ـــــ یعنی ایسی صورت میں اگر نقصان کا صحیح اندیشہ ہو تو جمعہ فرض نہیں۔

(۲)-اور دوسرا طبقہ وہ ہے جس پر جمعہ فرض نہیں۔ یہ وہ معذور، مجبور، محبوس اور لاچار لوگ ہیں کہ شریعت نے ان کے عذر، خوف اور تکلیف کو دیکھتے ہوئے نرمی رکھی ہے اور جمعہ میں انہیں نہ آنے کی رخصت دی ہے۔

پھر بھی اگر یہ افراد رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے شریکِ جمعہ ہوں تو یہی ان کے لیے افضل ہے۔ البتہ عورت کے لیے اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے جمعہ کے بجائے ظہر ہی افضل ہے۔ ہاں اگر عورت کا مکان مسجد سے بالکل ہی ملا ہوا ہو کہ وہ گھر میں رہتے ہوئے امامِ مسجد کی اقتدا کرلے گی تو اس کے لیے بھی جمعہ افضل ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں کچھ ''مکلفین جمعہ'' ہوتے ہیں، جن پر جمعہ فرض ہوتا ہے۔ اور کچھ مکلفین جمعہ نہیں ہوتے مگر عزیمت پر عمل کریں اور جمعہ میں شرکت کریں تو ان کا جمعہ صحیح ہو جائے گا۔ اور اب ظہر پڑھنے کی حاجت نہ ہوگی۔

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی:۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں :

رخص له في تركها إلى الظهر فصارت الظهر في حقه رخصة، و الجمعة

عزيمة، كالفطر للمسافر هو رخصة له، والصوم عزيمة في حقه؛ لأنه أشق...فاذا أتى بالعزيمة، وتحمل المشقة صح. ولو ألزمناه بالظهر بعدها لحملناه مشقة. ونقضنا الموضوع في حقه، وهو التسهيل...إن الجمعة عزيمة، وهي أفضل الا للمرأة لأن صلوتها في بيتها أفضل...لو كان في بيتها لصيق جدار المسجد بلا مانع من صحة الاقتداء تكون أفضل لها أيضا. [فتاوى شامى، ج: ٥، ص: ٦١_٦٢ ، بتفصيل سابق]

یعنی: عذر والے کو جمعہ چھوڑ کر ظہر کی چھوٹ دی گئی ہے۔ تو ظہر اس کے حق میں رخصت اور جمعہ عزیمت ہوا۔ جیسا کہ مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی چھوٹ ہے۔ تو یہ اس کے حق میں رخصت اور روزہ رکھنا اس کے حق میں عزیمت ہے۔ اس لیے کہ یہ بڑا مشقت والا امر ہے۔... تو جب معذور نے عزیمت اختیار کرتے ہوئے جمعہ پڑھا اور مشقت برداشت کر لیا تو یہ جمعہ صحیح ہو گیا۔ پھر اگر اس پر جمعہ کے بعد نماز ظہر بھی لازم کر دیں، تو اس پر مشقت ڈالنا ہو گا۔ اور یہ نقض موضوع ہے کہ مقصد آسانی پیدا کرنا ہے۔... بلا شبہ ایسوں کے لیے نماز جمعہ عزیمت ہے۔ اور یہی افضل ہے۔ البتہ عورت کے لیے نماز اپنے گھر میں ہی افضل ہے۔ ہاں اگر اس کا گھر مسجد کی دیوار سے بالکل متّصل ہو، کوئی اور روک نہ ہو، تو پھر اس عورت کے لیے بھی جمعہ میں اقتدا صحیح ہے۔ اور اس کے لیے بھی جمعہ ہی افضل ہے۔

اتنی توضیح کے بعد اب اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اذن عام کے تحت اجازت کے عموم میں فقط وہی لوگ داخل ہیں، جن پر جمعہ فرض ہے، یا وہ لوگ بھی جن پر جمعہ تو فرض نہیں، مگر براہ عزیمت وافضلیت جمعہ ادا کرنے کے خواہاں ہیں۔ اور ان کی نماز جمعہ صحیح ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ علامہ عبد العلی برجندی نے ”عمن تصح منه الجمعة“ کہہ کر دوسرے طبقہ کے لیے اذن عام کو ثابت مانا ہے۔

جب کہ علامہ سید احمد طحطاوی حنفی صرف اول طبقہ کے لیے ثبوت اذن عام کے قائل

ہیں۔اور مکلفین“ کے ذریعے صراحت کے ساتھ اپنے اس موقف کو بیان بھی کر دیا ہے۔

فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی کی تحقیقات سے علامہ برجندی کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔آپ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ:

نمازی خواہ مکلفین جمعہ میں سے ہو کہ نہ ہو، اس سے بحث نہ کی جائے، بلکہ جو بھی نماز جمعہ کا اہل ہو، اسے نماز سے نہ روکا جائے، بلا روک ٹوک عمومی اجازت دے دی جائے۔ آپ لکھتے ہیں:

اذن عام کہ صحت جمعہ کے لیے شرط ہے۔اس کے یہ معنی کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے اس شہر کے تمام اہل جمعہ کے لیے وقت جمعہ، حاضریٔ جمعہ کی اجازت عام ہو۔[فتاویٰ رضویہ،ج ۶: ، ۲۰۹]

مذکورہ عبارت میں {اس شہر کے تمام اہل جمعہ کے لیے... اجازت عام ہو۔“ محل استشہاد ہے۔

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں تو عورت کو بھی آنے دینا چاہیے اس لیے کہ وہ بھی نماز جمعہ کی اصلاً اہلیت رکھتی ہے۔اور نماز جمعہ پڑھ لے تو اس کے ذمے سے نماز ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔اس اشکال کا دفعیہ یہ ہے کہ ”منع عن الصلاۃ“ قادح اذن عام ہے۔اور عورت کو روکنا ”منع عن الصلاۃ“ نہیں بلکہ ”منع عن الفتنۃ“ ہے۔تو جس طرح ”منع عن الإیذاء“ کی وجہ سے روکنا نماز سے روکنا نہیں کہلاتا، یوں ہی ”منع عن الفتنۃ“ نماز سے روکنا نہیں۔اور یہ اسی اہلیت کا نتیجہ ہے کہ عورت کا گھر اگر دیوار مسجد سے متّصل ہے تو وہ گھر میں ہی رہ کر اقتدا کر سکتی ہے۔اس کا جمعہ درست ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی فیصلہ کن عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قوله: أي: مكلفين بها ـــــ أقول تقدم تعبير البرجندي بـ"من تصح الجمعة" وبينهما فرق ظاهر.

قوله: نحو النساء لخوف الفتنة ـــــ أقول لاشك أنهن ممن تصح منه الجمعة، وإن لم يكن مكلفات بها. وقد علمت تعبير البرجندي.

بيد أنه يتراءي لي أن المضر إنما هو المنع عن الصلاة، و معناه :

(الف) أن تكون علة المنع هي الصلاة نفسها.

(ب) أو لازمها الغير المنفك عنها. كالمنع كراهة الإزدحام .

والمنع للفتنة ليس كذلك. فكان كمنع المؤذي من دخول المسجد - كما تقدم شرحا- فإن حقيقة المنع عن الإيذاء، لا عن ذكر الله تعالى في المساجد. [جد المحتار، حاشية رد المحتار، ج:٣، ص:٥٩٦]

یعنی: علامہ شامی نے جو علامہ طحطاوی کا قول ''مکلفین'' کے لیے اذن عام کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اس پر میرا کہنا ہے کہ اس سے قبل اس مسئلے پر امام برجندی کی عبارت بھی گزر چکی ہے جس کو انہوں نے ''من تصح منه الجمعة'' سے بیان کیا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کھلا فرق ہے۔ اور پھر علامہ طحطاوی کا فرمان کہ عورت چوں کہ مکلف نہیں، لہٰذا اس کو فتنہ کی وجہ روکا، تو یہ اذن عام کے خلاف نہیں ـــــ تو اس پر میں یہ کہوں گا کہ بلاشبہ عورتیں ان میں سے ہیں جن کی جانب سے جمعہ ادا کرنا صحیح ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ نماز جمعہ کی مکلف نہیں۔

البتہ اس سلسلے میں جہاں تک مجھے نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ جو اذن عام میں ضرر رساں ہوتا ہے وہ نماز سے روکنا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ:

۱- روکنے کی علت خود نماز ہی ہو۔

۲- یا پھر ایسا لازم نماز ہو، جو اس سے جدا نہ ہو سکے، مثلاً اجتماع و بھیڑ کو ناپسند کرنا۔ (تبھی یہ ''اذن عام'' کے منافی ہوگا۔) اور فتنہ کی وجہ سے نماز جمعہ سے منع کرنا ایسا نہیں۔ لہٰذا یہ ایسا ہی ہوا، جس طرح ایذا رساں کو مسجدوں میں داخلے سے روک دیا جاتا ہے؛ کہ یہاں منع کرنے کی

حقیقت ایذا و تکلیف سے روکنا ہوتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ مسجدوں میں ذکر اللہ سے روکا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مذکورہ عبارت اور علامہ برجندی کے موقف کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا دشوار نہیں کہ اگر مکلفین کے سوا کسی رخصت یافتہ نمازی کو بھی نماز-یا-لازم نماز سے روک دیا، تو یہ بھی اذن عام کے خلاف ہوگا اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

اس مسئلہ کی توضیح فتاوی رضویہ میں یوں ہے:

دیکھنا چاہیے کہ وہ شخص فی الواقع شریر و مفسد و موذی ہے؛ کہ اس کے آنے سے اندیشۂ فتنہ ہے، جب تو ایسی ممانعت بھی مانع صحت جمعہ نہ ہوگی کہ قادحِ اذنِ عام نماز سے روکنا ہے۔ كما في الطحطاوي عن الحلبي : لا بد من حمله على ما إذا منع الناس من الصلاة ... اور یہ روکنا در حقیقت نماز سے نہیں، بلکہ فتنہ سے بندش ہے۔ كما في الشامي عن الطحطاوي: لا يضر منع نحوالنساء لخوف الفتنة. انتهى

أقول: وتعليله بعدم التكليف معلول بما في "الشامي" عن العلامة إسماعيل مفتى دمشق الشام، تلميذ المحقق العلائى صاحب "الدرالمختار" عن العلامة عبد العلي البرجندي شارح "النقايه" أن الإذن العام "أن لا يمنع أحد ممن تصح منه الجمعة" كما لا يخفى فافهم. (فتاوی رضویہ، ج:۶، ص:۲۱۱، ۲۱۲، کتاب الصلاۃ باب الجمعہ)

"أقول" کے بعد عربی عبارت میں یہ ہے کہ عورتوں کو روکنے کے علت یہ بیان کرنا کہ وہ مکلف نہیں، خود ہی معلول ہے۔ شامی کی اس عبارت سے، جو کہ بواسطۂ مفتی دمشق و شام، و تلمیذ محقق علائی صاحبِ "در مختار" حضرت علامہ اسماعیل شارح نقایہ علامہ عبد العلی برجندی کے حوالے سے منقول ہے کہ "اذن عام یہ ہے کہ جن کی جانب سے جمعہ صحیح ہو جاتا ہے، ان میں سے کسی کو بھی حاضری سے نہ روکا جائے۔"

مذکورہ ابحاث کا خلاصہ یہ نکلا کہ وہ اہل جمعہ جن پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ انہیں بھی حاضری جمعہ سے مقیمین جمعہ کا بلاوجہ شرعی روکنا اذن عام کے خلاف ہے۔

أقيموا الصلاة-کا قضیہ

"مقیمین جمعہ" میں مقیمین سے کون لوگ مراد ہوتے ہیں، اس پر بحث سے قبل اس نکتے کو جاننے کی ضرورت ہے کہ نماز کے لیے "أداء الصلوٰة" کے بجاے "إقامة الصلوٰة" کی اصطلاح کیوں استعمال کی جاتی ہے؟

ایک اندازے کے مطابق قرآن کریم میں لفظ "الصلوٰة" کا استعمال ۶۱؍ مرتبہ ہوا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے ۵۱؍ مرتبہ "الصلوٰة" کا استعمال اقامت وقیام اور اس کے مشتقات کے ساتھ ہوا ہے۔ جب کہ قرآن پاک میں "صَلُّوا" یا "أَدُّوا" کے صیغے کا استعمال براہ راست خطاب یا مدح کے طور پر نماز کے معنیٰ میں ایک بار بھی نہیں ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ "أقيمو الصلوة" اپنے اندر کچھ ایسا خاص معنی بھی رکھتا ہے۔ جس کا بیان "أدواالصلوٰة" یا "آتوا الصلوٰة" کے صیغے سے نہیں ہو سکتا۔

تو اب آئیے اس کے لغوی معنیٰ و مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیوں کہ منقولِ اصطلاحی کی عمارت لغوی بنیادوں کے بغیر کھڑی نہیں رہ سکتی ہے۔

أقام الشيء: بمعنی: "جعله مستقيما" ہوتا ہے۔ تو "أقيمو الصلوٰة" کا معنیٰ ہوگا: "آتوالصلوة مستقيما" ــــــ یہ "مستقيم" اپنے اندر دونوں معنیٰ لیے ہوئے ہے:

۱- ٹھیک ٹھیک انداز میں بجالانا۔

۲- اور استقامت کے ساتھ ادا کرنا۔

ایک جگہ "اداءِ صلوۃ" کا معنیٰ یوں ملا: "الإتيان بأركانها كاملة" ــــــ یعنی: نماز کو اس کے ارکان کے مطابق کامل طریقے سے پیش کرنا۔

اور "أقام الصلوة" کا مطلب: "حافظ عليها ورعاها حق رعايتها" یعنی:

۱- اس کی محافظت و پابندی کرنا۔

۲- اور اس کے حقوق و آداب کی رعایت کے ساتھ بجالانا۔

علامہ ابوالقاسم حسین محمد راغب اصفہانی (متوفی:۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

ولم يأمر تعالىٰ بالصلوة حيثما أمر، ولا مدح بها حيثما مدح، إلا بلفظ "الإقامة" تنبيهًا أن المقصود منها: توفية شرائطها، لا الإتيان بهيئاتها، نحو: ''اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' [البقرة:٤٣، وغيرها] ...''وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ'' [النساء :١٦٢] أما قوله: ''رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ'' [إبراهيم :٤٠] أي: وفقني لتوفية شرائطها. وقوله: ''فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ'' [التوبة: ٥- و-١١] فقد قيل: عني به: إقامتها بالإقرار بوجوبها، لابأدائها ــــ **یعنی:**

اور اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی نماز کا حکم دیا ہے تو لفظ ''اقامت'' ہی کے ذریعے حکم دیا ہے، اور جہاں کہیں بھی نماز کے ذریعے مدح فرمائی ہے تو لفظ ''اقامت'' ہی کے ذریعے مدح فرمائی ہے۔ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ نماز کا مقصود ''ہیئت نماز'' کے مطابق محض ایک کام کرنا نہیں ہے۔ بلکہ شرائط نماز کا بھرپور لحاظ رکھنا ہے۔ جیسے: ''اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' [مقام امر میں]...اور ''وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ'' [مقام مدح میں]

اور رہی بات ''فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ'' کی، تو ایک قول کے مطابق یہاں ''اَقَامُوا الصَّلٰوةَ'' سے مراد وجوبِ نماز کے اقرار کے ساتھ ''اقامت صلوۃ'' ہے، نہ کہ ''اداء صلوۃ''

(معجم مفردات ألفاظ القرآن. مادة: قوم :ص:٤٦٦-٤٦٧-دار الكتب العلمية بيروت)

یہی علامہ راغب اصفہانی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ'' [البقره:٣-وغيرها] أي: يديمون فعلها و يحافظون عليها. (ص: ٤٦٥).... و استقامة الإنسان: لزومه المنهج المستقيم، نحو قوله تعالىٰ: ''اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا'' [فصلت :٣٠] ''فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ'' [هود :١١٢] ''فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ'' [فصلت:٦] ــــ **یعنی:**

''وہ نماز قائم کرتے ہیں'' سے مراد فعلِ نماز میں ہمیشگی برتتے ہیں۔ اور اس کی محافظت

وپابندی کرتے ہیں...انسان کے استقامت پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل درست منہج اور طریقۂ کار سے جڑا رہے۔مذکورہ آیات کریمہ میں "استقامت" سے یہی مراد ہے۔

شرائط نماز کی تقسیم کاری کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ استانبولی حنفی [متوفی: ۱۱۲۷ھ] نے بڑی اچھی بات لکھی ہے:

ومعنى إقامة الصلاة: أداءها، وإنما عبّر عن "الأداء" بـ"الإقامة" إشارة إلى "الصلاة عماد الدين" وفي المفردات: إقامة الشيء: توفية حقه، و إقامة الصلوة: توفية شرائط، لا الإتيان بهيئتها —— يعني:

شرائط نماز بر دو قسم است: قسمے را "شرائط جواز" گویند، یعنی: فرائض و حدود، واوقات آں——وقسمے را شرائط قبول گویند، یعنی: تقوی، و خشوع، و اخلاص، و تعظیم، و حرمت آں۔ قال تعالیٰ: "اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ"

و تا ہر دو قسم بجائے نیارد، معنیٔ اقامت درست نہ شود۔ ازیں جانست کہ رب العزت در قرآن ہر جاکہ بندہ را نماز فرماید۔ ویابنائے مدح کند۔ "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" و "يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ" گوید۔ "صَلُّوا، ويُصَلُّون" نگوید۔(تفسیر روح البیان، سورہ لقمان:۴،ج:۷،دارالفکر،بیروت)

ترجمہ: "اقامت نماز" کا معنیٰ "ادائے نماز" ہے۔ "ادا" کو "اقامت" کے ذریعے بیان کر کے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ اور مفردات امام راغب اصفہانی میں ہے کہ "إقامة الشيء" کا معنیٰ: اس کے حق کی بھرپور ادائیگی ہے۔ اور "إقامة الصلوة" کا معنی بس ظاہری ہیئت کے مطابق ایک کام کرنا کرلینا نہیں ہے۔ بلکہ شرائط نماز کا پورا پورا خیال رکھنا ہے۔ یعنی شرائط کی دو قسمیں ہیں:

(۱)- **شرط جواز:** ایک قسم کو "شرط جواز" کہتے ہیں۔ اس میں فرائض نماز، حدود نماز اور وقتِ نماز آجاتے ہیں۔

(۲)- **شرط قبول:** دوسری قسم کو "شرط قبول" کہتے ہیں: اس میں تو تقویٰ، خشوع، اخلاص اور تعظیم

واحترامِ نماز شامل ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ'' جب تک ان دونوں قسموں کے مطابق نماز نہیں پڑھیں گے ''إقامة'' کا معنیٰ: درست نہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جس جگہ بھی قرآن پاک میں بندوں کو نماز کا حکم دیا ہے۔ یا۔ مدح و ستائش کی ہے۔ ''اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ'' و ''یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ'' فرمایا ہے، ''صَلُّوا، ويُصَلُّون'' نہیں فرمایا ہے۔(انتهى كلام الحقي)

اور احادیث کریمہ میں جو ''صَلُّوا'' کے صیغے مستعمل ہے، وہ یہی ''أقيموا'' کے معنی پر محمول ہیں۔ اور آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز تو ''اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ'' کا پیکر مجسم ہوا کرتی تھی۔ اس لیے اپنی طرح نماز پڑھنے کا حکم فرمایا: ارشاد ہوتا ہے: ''صلوا كما رأيتموني أصلي'' ـــــ یعنی: اگر اسی انداز میں نماز کی ادائیگی ہوگی تو یہ اصلاحِ اعمال وقلب اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ ''اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ'' کے مذکورہ مفہوم کی روشنی میں آیت کریمہ کو سمجھا جانا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ'' [العنكبوت، ٤٥] ـــــ یعنی: کتاب الٰہی جو آپ کی طرف بطور وحی پیش کی جاتی ہے۔ اس میں سے کچھ تلاوت کریں، اور نماز قائم رکھیں۔ بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

خلاصۂ بحث:

علامہ راغب اصفہانی کی پیش کردہ توضیحات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ''إقامة الصلوٰة'' کا معنیٰ ہے:

(۱)-آداب و شرائطِ نماز کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھنا۔

(۲)-اور ہمیشہ نماز پڑھنا۔

اور علامہ اسماعیل حقی کی وضاحت کے مطابق شرائط نماز دو قسموں پر ہے: (۱) شرطِ جواز

(۲) اور شرطِ قبول۔ اور ''إقامة الصلوٰة'' سے مراد ''أداء الصلوة'' ہی ہوتا ہے۔ مگر چوں کہ ''أداء'' اپنے اندر دیگر خصوصیات سمونے کی صلاحیت نہیں رکھتا؛ اس لیے ''أدُّوا'' سے ہٹ کر ''أقیموا'' کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔

لہٰذا نماز جمعہ میں جو خاص اصطلاح " مقیمینِ نماز جمعہ " استعمال کی جاتی ہے۔ اس سے مراد نماز جمعہ ادا کرنے والے لوگ ہیں۔

مقیمین جمعہ کون؟

ذکر کردہ لغوی تحقیق کی روشنی میں بتایا جا چکا کہ ''مقیمین جمعہ'' سے جمعہ ادا کرنے والے لوگ مراد ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ''جماعتِ جمعہ'' کی شرط پائی جاتی ہے اور ان کے ہوتے ہوئے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ اب یہ حضرات خواہ:

(الف) بادشاہ اسلام اور اس کے لشکری ہوں۔

(ب) امیر شہر اور اس کے ماتحت ہوں۔

(ج) یا شرعی طور پر نماز جمعہ کے خطبہ یا امامت کے لیے منتخب امام و مقتدی ہوں۔

یہ ''مقیمان جمعہ'' کہلائیں گے۔ اور ان کی نماز جمعہ تبھی درست ہوگی جب کہ دیگر بھائیوں کو بھی عمومی اجازت دیں۔

اس سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اذن عام کی بحث میں ''مقیمین جمعہ'' کی اصطلاح نہ تو امام المسلمین، حاکم شہر اور اعلم علمائے بلد کے ساتھ خاص ہے۔ جو کہ مقام جمعہ اور امام جمعہ کی تعیین کی پرمیشن دیتے ہیں۔ اور نہ ہی مسجد کے متولی، صدر، سکریٹری اور دیکھ ریکھ پر معمور دیگر عملہ پر خصوصی اطلاق ہوتا ہے۔ بلکہ وہ تمام لوگ ''مقیمین جمعہ'' ہوتے ہیں جو نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے اکھٹے ہوں۔ بلکہ اگر امام کے علاوہ فقط تین لوگ جمع ہوئے تو ان سے بھی جمعہ قائم ہو جائے گا اور یہی لوگ ''مقیمین جمعہ'' کہلائیں گے اگر چہ یہ تینوں غلام، یا مسافر، یا بیمار، یا گونگے، یا ان پڑھ مقتدی ہوں۔

ملک العلما علامہ علاء الدین ابوبکر کاسانی (متوفی:۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

وأما صفة القوم الذين تنعقد بهم الجمعة ، فعندنا أن كل من يصلح إماما للرجال فى الصلوة المكتوبات، تنعقد الجمعة بهم. فيشترط صفة الذكور، والعقل، والبلوغ، لا غير، ولاتشترط الحرية والإقامة حتى تنعقد الجمعة بقوم عبيد أو مسافرين .

لوگوں کی وہ صفت جس سے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے، ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو پنج وقتہ نمازوں میں مردوں کی امامت کر سکتا ہو، ان کے ہوتے ہوئے، جمعہ منعقد ہو جاتا ہے؛ لہٰذا یہاں مذکر، عاقل اور بالغ ہونے کی شرط لگائی جاتی ہے۔ کوئی اور شرط نہیں ـــــ حتیٰ کہ آزاد اور مقیم ہونے کی شرط بھی نہیں۔ اسی لیے تو غلاموں اور مسافروں سے بھی جمعہ قائم ہو جاتا ہے۔

(بدائع الصنائع ، ج: ۲ ،ص: ۲۱۶ ،کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ)

یہی علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

الجمعة المطلق شرط انعقاد الجمعة فی حق کل واحد منهم. ولا یحصل هذا الشرط إلا إذا کان سوی الإمام ثلاثة: إذ لوکان مع الإمام ثلاثة، لا یوجد فی حق کل واحد منهم إلا اثنان، والمثنی لیس بجمع مطلق ـــــ یعنی:

انعقاد جمعہ کی شرط یہ ہے کہ ان میں سے ہر فرد کے حق میں جمع مطلق پالیا جائے۔ اور اس شرط کا حصول اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب کہ امام کے سوا تین اور ہوں، کیوں کہ اگر امام کو ملا کر تین ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک کے حق میں مزید دو ہی ہوں گے۔ اور دو پر جمع مطلق نہیں بولا جاتا ہے۔ (ایضاً، ص:۲۱۶)

صدر الشریعہ حضرت مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اگر تین غلام، یا مسافر، یا بیمار، یا گونگے، ان پڑھ مقتدی ہوں تو جمعہ ہو جائے گا۔ (بہار شریعت، ج:۱، حصہ:۴، ص:۷۷۲، مکتبۃ المدینہ کراچی)

سلطنت اسلامیہ میں خلیفۂ وقت، یا بادشاہ اسلام نماز جمعہ پڑھانے کا حق دار ہوتا ہے، یا پھر اس کے اذن سے قیام جمعہ پر مامور حاکم یا قاضی نماز پڑھایا کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

امامت جمعہ و عیدین و کسوف، امامت نماز پنجگانہ سے بہت تنگ تر ہے۔ پنجگانہ میں ہر شخص صحیح الایمان، صحیح القراءۃ، صحیح الطہارۃ، مرد، عاقل، بالغ، غیر معذور امامت کر سکتا ہے۔ یعنی اس

کے پیچھے نماز ہو جائے گی اگرچہ بوجہ فسق وغیرہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو.... مگر جمعہ و عیدین و کسوف میں کوئی امامت نہیں کر سکتا اگرچہ حافظ، قاری، متقی، وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو، مگر وہ جو بحکمِ شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کہ بالعموم اُن پر استحقاقِ امامت رکھتا ہو، یا ایسے امام کا ماذون و مقرر کردہ ہو۔ اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے:

اوّل: وہ سلطان اسلام ہو۔

ثانی: جہاں سلطنت اسلام نہیں وہاں امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علما کو ہے۔

ثالث: جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بمجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں۔

بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام ہے، نہ ایسے امام کا نائب و ماذون و مقرر کردہ، اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں، اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی، جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا، ان شہروں میں کہ سلطانِ اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلم علمائے بلد کہ اس شہر کے سنّی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو، نماز کے مثل مسلمانوں کے دینی کاموں میں ان کا امام عام ہے، اور بحکم قرآن عظیم اُن پر اُس کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل فرض ہے، جمعہ و عیدین و کسوف کی امامت وہ خُود کرے، یا جسے مناسب جانے مقرر کرے۔ اُس کے خلاف پر عوام بطور خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا؛ کہ عوام کا تقرر بمجبوری اس حالت میں روا رکھا گیا ہے، جب امامِ عام موجود نہ ہو، اُس کے ہوتے ہوئے اُن کی قرار داد کوئی چیز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۵۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اسی پس منظر میں بعض فقہاے کرام نے اپنی کتابوں میں ”الإذن من الإمام“ سے ”اذن عام“ کی تعریف شروع کی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ امام المسلمین، یا حاکم کے علاوہ کو اذن عام کا اختیار حاصل نہیں۔ بلکہ اسی طریقۂ نماز کو سامنے رکھتے ہوئے تعریف ڈھالی گئی ہے۔

اسی لیے متاخرین فقہا نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ مراد یہاں مقیمین جمعہ ہیں، خاص بادشاہ اسلام نہیں۔

امام فخر الدین عثمان بن زیلعی حنفی [متوفی:۷۴۳ھ] لکھتے ہیں:

أن يأذن الإمام للناس إذناعاما ـــــ **یعنی: ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام المسلمین لوگوں کو اذن عام دے۔** (تبين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلوة ، باب الجمعة ج:١ ،ص:٥٣٢)

امام محمد بن علی علاء الدین حصکفی [متوفی:۱۰۸۸ھ] نے بھی "ألإذن" **کی تشریح** "من الإمام" **سے کی ہے۔ ملاحظہ ہو:**

والسابع: [الإذن العام] من الإمام ـــــ **یعنی: جمعہ منعقد ہونے کی ساتویں شرط "اذن عام" ہے جو کہ امام المسلمین کی طرف سے حاصل ہو۔ (در مختار مع التنویر، ج:۳،ص:۲۵)**

علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی [متوفی:۱۲۴۱ھ] اس پر حاشیہ آرائی فرماتے ہیں:

قوله: "من الإمام" مثله: نائبه الذي يملك إقامتها ـــــ **یعنی: صاحب در مختار نے جو متن "تنویر الابصار" میں** "الإذن العام" **کے بعد** "من الإمام" **لکھا ہے وہ وہیں تک محدود نہیں بلکہ اسی کے مثل اس کے نائب کا حکم ہوگا، جو جمعہ قائم کرنے پر قادر ہو۔** (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار، ج:۱،ص:۳۴۴،مکتبہ الاتحاد، بھارت)

خاتمۃ المحققین محمد امین علامہ ابن عابدین شامی [متوفی:۱۲۵۲] لکھتے ہیں:

قوله: "من الإمام" قيد به بالنظر إلى المثال الآتي وإلا فالمراد: الإذن من مقيمها، لما فى البرجندي من أنه: لو أغلق جماعة باب الجامع، وصلوا فيه الجمعة، لا تجوز. [ردالمحتار، مع الدر، كتاب الصلوة، باب الجمعة ، ج:٣،ص:٢٥]

صاحب در مختار کا "من الإمام" کی قید لگانا اس وجہ سے ہے کہ آنے والی سطروں میں امام المسلمین اور سلطان کے حوالے سے مثال دی گئی ہے۔ ورنہ یہاں حقیقت میں "مقیمین جمعہ" کا اذن مراد ہے۔ چناں چہ علامہ برجندی نے "شرح نقایہ" میں ذکر کیا ہے کہ اگر ایک جماعت

نے جامع مسجد کا دروازہ بند کرلیا اور اس میں نماز جمعہ ادا کی تو جمعہ نہ ہوا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی محقق بریلوی [متوفی:۱۳۴۰ھ] لکھتے ہیں:

اذن عام کہ صحت جمعہ کے لیے شرط ہے۔اس کے یہ معنیٰ کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے اس شہر کے تمام اہل جمعہ کے لیے، وقتِ جمعہ، حاضریٔ جمعہ کی اجازت عام ہو۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۲۱۰، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

مذکورہ ارشاد میں ”جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے... اذن عام ہو“محل استشہاد ہے۔لہٰذا اگر جماعت قائم کرنے والوں کی طرف سے عام اجازت حاصل ہو اور وہ جگہ اذن عام کے لائق بھی ہو، مگر حاکمِ شہر جمعہ سے روکے تو یہ اذن عام کے منافی نہیں کہ اذن ”مقیمان جمعہ“ کا معتبر ہے جو کہ یہاں موجود ہے۔اسی طرح ”مقیمینِ جمعہ“میں ”جمعہ“کی قید احترازی ہے۔ لہٰذا اگر یہ لوگ دیگر نمازوں سے روکیں تو اذن عام کے خلاف نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی لکھتے ہیں:

محل نظر ہے کہ یہ ممانعت ان ”مقیمانِ جمعہ“کی طرف سے ہے، یا نہیں؟ اگر یہ اسے جمعہ میں آنے سے منع نہیں کرتے، اگرچہ اور نمازوں میں مانع ہوں، اگرچہ کرنیل نے اسے جمعہ سے بھی جبراً روکا ہو، یا وہ خود بخوفِ کرنیل نہ آتا ہو۔ تو ان صورتوں میں بھی صحتِ جمعہ میں شک نہیں۔کہ جب مقیمین جمعہ کی طرف سے اذن عام، اور وہ مکان بھی اذن عام کا صالح تو کسی شخص کو غیر جمعہ سے روکنا، یا جمعہ میں اس کا خود نہ آنا، یا کسی کا جبراً اسے باز رکھنا قاطع اذن عام نہیں ہو سکتا۔(فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۲۱۱-بہ تفصیل سابق)

پس حاصل گفتگو یہ ہے کہ جو افراد نماز جمعہ ادا کر رہے ہیں، وہی "مقیمین جمعہ" ہیں۔ اور ان ہی کی عمومی اجازت درکار ہوتی ہے۔

اذنِ اقامتِ جمعہ-و-اذنِ حضور جمعہ

انعقاد جمعہ کے لیے جب ''اذن'' کی بات آتی ہے تو دو چیزوں کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے کہ ان میں فرق وامتیاز نہ کرنے کے باعث بسااوقات اشتباہ ہوجاتا ہے۔ اور وہ دو چیزیں یہ ہیں:

(۱)-اذنِ اقامتِ جمعہ

(۲)-اذنِ حضورِ جمعہ۔

اذن حضور جمعہ: اس کا مطلب تو یہی ہے کہ نماز جمعہ ادا کرنے والوں کی طرف سے ممانعت کی کوئی صورت نہ ہو، بلکہ کھلی اجازت ہو کہ جو چاہے آکر نماز میں شامل ہوجائے۔ ''اذن عام'' کی شرط میں انھیں لوگوں کی اذن کا اعتبار ہے۔ اور ''اذنِ حضور'' ہی اس میں ملحوظ ہوتا ہے۔

اذنِ اقامتِ جمعہ: اذن عام کی طرح یہ بھی جمعہ قائم کرنے کی بنیادی شرطوں میں سے مستقل شرط ہے۔ اور اس کو فقہی کتابوں میں شرطِ ثانی ''سلطان'' کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ آسان لفظوں میں اس کی وضاحت یوں ہے کہ:

سلطان اسلام یا اس کا نائب جہاں اور جس کو جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے وہیں اور اسی شخص، یا اس کے ماذون کی اقتدا میں جمعہ جائز ہے۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلطان یا اس کا ماذون خود ہی دیگر لوگوں کو کسی شہر میں جمعہ پڑھائے۔

آج جہاں سلطنت اسلامیہ نہ ہو تو حاکم اسلام کے قائم مقام ''اعلم علماے بلد'' یعنی: شہر کا سب سے بڑا عالم، سنی صحیح العقیدہ مرجع فتوی ہے۔ وہ دیگر شرائط کی روشنی میں جہاں جمعہ پڑھانے کی اجازت دے۔ اور جس کو جمعہ پڑھانے کے لیے مقرر کرے وہیں اور اسی کی اقتدا میں جمعہ پڑھنا صحیح ہوگا۔

ان کے ہوتے ہوئے عوام کو مجال نہیں کہ کسی اور کو امام مقرر کردے اور جہاں چاہے جمعہ قائم کرلے۔ ایسا ہوا تو کسی کا جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

ہاں اگر ہنگامی صورت حال پیدا ہو جائے اور اس وقت ''اعلم علماے بلد'' سے بھی رابطہ نہ ہو سکے تو عوام کی اکثریت کو بقدرِ ضرورت اختیار ہے۔ چناں چہ اس وقت وہ جس کو مقرر کر لیں ان کے پیچھے جمعہ کی اقتدا درست ہو جائے گی۔

یہاں پر ''اعلم علماے بلد سے رابطہ نہ ہو سکے''——نیز ''عوام کی اکثریت''—— اور ''بقدرِ ضرورت'' والی قیدوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر ''اعلم علماے بلد'' کے ہوتے ہوئے عوام کی اکثریت نے کسی کو امام مقرر کر لیا تو ان کی اقتدا میں جمعہ جائز نہیں کہ شرطِ انعقادِ جمعہ مفقود ہے۔

اسی طرح اگر اکثریت نے نہیں، بلکہ عوام میں سے فقط دو چار شخصوں نے کسی کو امام مقرر کر لیا، تو ان کے پیچھے جمعہ درست نہیں۔

معلوم ہوا کہ عوام کو اصلاً قیامِ جمعہ کا اختیار نہیں، ہاں ضرورتاً اس کو اجازت دی گئی ہے مگر ضرورت کو ضرورت ہی کی حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے، فقہ کا اصول ہے: ''الضرورة تتقدر بقدرالضرورة'' لہٰذا اگر یہ عادت بن جائے اور ''اعلم علماے بلد کے اذنِ اقامتِ جمعہ'' کا بھی خیال نہ رکھا جائے تو جمعہ کا قیام درست نہیں۔

علامہ محمد ابراہیم بن حلبی (متوفی:۹۵۶ھ) فرماتے ہیں:

''الشرط الثانی: کون الإمام فیها السلطان، أو من أذن له السلطان''
[غنية المستملی شرح منية المصلی، فصل في صلاة الجمعة، ص:۵۵۳، سہیل اکیڈمی، لاہور)]

عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی حنفی لکھتے ہیں:

إذا خلی الزمان من سلطان ذی کفاية، فالأمور مؤکلة إلی العلماء ويلزم الأمة إليهم ويصيرون ولاة لهم. [الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية ، ج:۱۰، ص:۳۵۱، النوع الثالث من أنواع الثلاثة .مکتبه نوريه رضويه، پاکستان]

امام محمد بن علی علاء الدین حصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

«ونصب العامة» الخطيب «غير معتبر مع وجود من ذكر» أما مع عدمهم فيجوز للضرورة. (الدرالمختار، ج:٣، ص: ١٤، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلميه بيروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عدم سلطان کی حالت میں مسلمانوں پر اپنے امور دینیہ میں متدین معتمد علماے اہل سنت کی طرف رجوع کرنا اور بھی لازم تر ہو جاتا ہے کہ بعض بعض خاص دینی کام جنھیں ولاۃ وقضاۃ اٹھائے ہوتے ہیں۔ ان میں تا حدِ ممکن انھیں کے حکم سے تکمیل کرنی ہوتی ہے، جیسے: معاملۂ عنین، وتنفیذ انکحہ، وخیارات بلوغ وغیرہا، سوائے حدود وتعزیر وقصاص، جس کا اختیار غیر سلطان کو نہیں۔ فإذا عسر جمعهم على واحد، استقل كل قطر بإتباع علمائه ، فإن كثروا، فالمتبع أعلمهم، فإن استووا أقرع بينهم كما فى الحديقة الندية من الفتوى العتابية ــــ یعنی: جب ایک پر اتفاق دشوار ہو جائے، تو ہر علاقے والے اپنے اپنے عالم کی اتباع کر لیں۔ اگر علاقائی علما کثیر ہوں تو ان میں سب سے بڑے عالم کی اتباع کی جائے۔ اگر علم میں برابر ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے۔

یہ امیر شرعی کسی کے انتخاب پر نہیں، بلکہ خود بانتخاب الٰہی منتخب ہے، دیانت وفقاہت میں اس کا تفرد وتفوق خود ہی اسے متعیّن کرتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اس کے غیر کو منتخب کریں گے، خطا کریں گے۔ (فتاوی رضویہ، ج:٦، ص:٢٠ رضا اکیڈمی ممبئی)

صدر الشریعۃ مفتی محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

ایک بہت ضروری امر جس کی طرف عوام کو بالکل توجہ نہیں، یہ ہے کہ جمعہ کو اور نمازوں کی طرح سمجھ رکھا ہے کہ جس نے چاہا نماز جمعہ قائم کر لیا۔ اور جس نے چاہا پڑھا دیا۔ یہ ناجائز ہے اس لیے کہ نماز جمعہ قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے... اور جہاں

اسلامی سلطنت نہ ہو، وہاں جو سب سے بڑا فقیہ، سنی صحیح العقیدہ ہو، احکام شرعیہ جاری کرنے میں سلطان اسلام کے قائم مقام ہے، لہٰذا وہی جمعہ قائم کرے، بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی نہ ہو تو عام لوگ جس کو امام بنائیں، عالم کے ہوتے ہوئے عوام بطور خود کسی کو امام نہیں بنا سکتے، نہ یہ ہو سکتا ہے کہ دو چار شخص کسی کو امام مقرر کر لیں، ایسا جمعہ کہیں سے ثابت نہیں۔
(بہار شریعت، حصہ چہارم، ص:۷۶۴، مکتبۃ المدینہ کراچی)

دوسری شرط: سلطان، یعنی ''اذن اقامتِ جمعہ''کی وضاحت کے بعد اب مقصود کی طرف آتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ:

اذن عام کی تعریف میں مذکور ''الإذن من المقيمين للجمعة ''اور شرط ثانی: سلطان، یعنی ''اذن اقامت جمعہ''میں لفظی توافق ضرور موجود ہے مگر حقیقتاً دونوں الگ الگ ہیں۔

''اذن اقامت جمعہ''کا تعلق سلطان، یا اس کے نائب، یا اعلم علمائے بلد سے ہے۔ اور یہ مستقل بنیادی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ اس شرط کے وجود کے بعد ایک اور شرط، ''اذن عام''کی حاجت ہوتی ہے۔ اسی کو ''اذنِ حضورِ جمعہ'' کا بھی نام دیا گیا ہے۔ اور اس کا تعلق مقیمین جمعہ سے ہے۔ یعنی: ان لوگوں سے جو نماز جمعہ کی ادائیگی کرنے والے ہیں۔ یہ ہر ایک کو نماز کے لیے آنے دیں اور بلا ضرر و اندیشۂ فتنہ کسی کو نہ روکیں۔

اعلیٰ حضرت حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی تنویر الابصار مع الدر کی عبارت: ''والثاني: السلطان''کے تحت لکھتے ہیں:

معنى هذا الشرط إذنه بالإقامة إذ ليس حضوره في الصلاة شرطا قطعاً؛ وإلا لما جازت إلا في موضع واحد من المملكة جميعا. ولا حضوره فى البلد وإلا لم تجز فى بلد واحد أيضا إذا سافر وكان فى بادية. ولا كون المحل تحت ولايته لإغناء قيد المصر عنه مع زيادة. فليس المقصود إلا أنه بالإقامة ...وهذا الإذن غير الإذن العام...فإن المراد بذلك: الإذن الحضور: وكونه بحيث لا يخص

به جمع دون جمع.

اس شرط کا معنی: "اذن اقامت جمعہ" ہے؛ اس لیے کہ بادشاہ اسلام کی نماز جمعہ میں حاضری قطعاً شرط نہیں۔ ورنہ تو پورے دائرۂ مملکت میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ جائز ہوتا۔ اور نہ ہی شہرِ جمعہ میں اس کی حاضری شرط ہے۔ ورنہ تو کسی ایک شہر میں بھی جمعہ جائز نہ ہوتا جس وقت سلطان کسی دیہات میں سفر پر ہو۔ اور نہ محلِ جمعہ کا اس کی سلطنت میں ہونا شرط ہے کہ مصر کی قید دوسرے اضافہ سے بے نیاز کر رہی ہے۔ تو سلطان کی شرط میں مقصود بس اذنِ اقامتِ جمعہ ہے۔ (خود بادشاہ کی حاضری ضروری نہیں)

اور یہ اذن اس اذن عام کے علاوہ ہے، جس کا مطلب "اذنِ حضور" ہوتا ہے۔ اور وہ اذن عام بمعنی: "اذنِ حضور" اس طور پر نہ ہو کہ کسی جماعت کو اذن سے خاص کر لیا جائے اور کسی کو چھوڑ دیا جائے۔

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی: ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها، فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين تحقيقا لمعنى الإسم. (فتاویٰ شامی، ج: ۳،ص: ۲۵، بتفصیل سابق)

یعنی: جمعہ کا نام جمعہ اس لیے ہے کہ اس میں نماز پنج گانہ کی متعدّد جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام تر جماعتوں کو "اذنِ حضورِ جمعہ" حاصل ہو، تاکہ معنیٔ اسمی ثابت ہو سکے۔

وقت اذن عام - ایک توضیح

نماز جمعہ کے وقت اذن عام حاصل ہو، یہی مطلوب و معتبر ہے۔ لہٰذا کسی وجہ سے نماز جمعہ سے قبل مقام جمعہ میں حاضری کی اجازت نہ دی تو یہ اذن عام کے خلاف نہیں۔ اسی طرح اگر نماز جمعہ ہو جانے کے بعد عمومی اجازت ختم کر دی گئی تو یہ بھی اذن عام کو باطل نہ کرے گا۔

خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین شامی (متوفی: ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

الظاهر إشتراط الإذن وقت الصلاة، لا قبلها لأن النداء للإشتهار كما مر، وهم يغلقون الباب وقت النداء أو قُبَيله . فمن سمع النداء، وأراد الذهاب إليها لايمكنه الدخول، فالمنع حال الصلاة متحقق، ولذا استظهر الشيخ "إسماعيل" عدم الصحة . ثم رأيت مثله في "نهج النجاة" معزيا إلى رسالة العلامة "عبد البربن الشحنة" والله تعالى أعلم ـــــ یعنی:

ظاہر یہ ہے کہ اذن عام کی شرط وقت نماز جمعہ پائی جائے، اس سے پہلے نہیں۔ کیوں کہ اذان کا مقصد جمعہ میں حاضر ہونے کا اعلان ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پس اگر لوگ اذان جمعہ - یا - اس سے ذرا پہلے ہی گیٹ بند کر لیں گے، تو جو اذان سن کر نماز جمعہ میں آنا چاہے گا اس کے لیے وہاں داخلہ ممکن نہ ہوگا۔ تب تو ایسی صورت میں حالت نماز میں ممانعت ثابت ہے۔ (اذن عام ثابت نہیں۔) اس لیے شیخ اسماعیل نے جمعہ صحیح نہ ہونے کا قول ظاہر فرمایا ہے، پھر میں نے اسی کے مثل حکم کتاب "نهج النجاة" میں علامہ عبد البر بن شحنہ کے ایک رسالہ کے حوالے سے دیکھا ہے۔ (ردالمحتار، ج:۳، ص:۲۶،۲۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

قوله: "لا قبلها" قلت: وكذا "بعدها" بالأولى ، فكما لا يشترط الأذن قبلها ولا بعدها فكذا لايضرالمنع قبلها أو بعدها ـــــ یعنی:

علامہ شامی کا کہنا ہے کہ قبل نماز جمعہ اذن کی شرط نہیں۔ اس پر میں کہتا ہوں کہ یہی حکم

بعد نماز جمعہ بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا ـــــ پھر یہ بھی کہ جس طرح نماز جمعہ سے پہلے یا اس کے بعد اذن کی شرط نہیں۔ یوں ہی نماز جمعہ سے قبل یا اس کے بعد منع کرنا "اذن عام" کے خلاف نہیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ کی تحریر مبارک: "إشتراط الإذن وقت الصلاة، لا قبلها" کے تحت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی حاشیہ آرائی کے بعد مسئلہ مزید منقح ہوکر سامنے آجاتا ہے۔ بالخصوص ارشاد گرامی "لا یضرالمنع قبلها أو بعدها" تو آج کے بہت سے پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی کے لیے کافی ہے۔

اسی تناظر میں، میں نے ایک استفتا کا جواب لکھا تھا۔ موضوع کی مناسبت سے یہاں ذکر کر دینا فائدے سے خالی نہیں:

جمعہ سے پہلے ممانعت کا اعلان کیا، پھر اذان دی، اور گیٹ کھول کر نماز جمعہ ادا کی، تو کیا حکم ہے؟

سوال عرض یہ ہے کہ اگر مقیمینِ جمعہ نے اذان سے قبل یہ اعلان کر دیا کہ آپ لوگ گھر ہی میں جمعہ کی جگہ ظہر پڑھ لیں مسجد نہ آئیں۔

ـــــ پھر انھیں لوگوں نے اذان دے کر مسجد کا دروازہ اور صدر گیٹ کھول دیا پھر نماز جمعہ ادا کی تو نماز جمعہ ہوئی کہ نہیں؟ ـــــ یا اذن عام مفقود ہوکر جمعہ صحیح نہیں ہوا؟

ـــــ برائے کرم حکم شرعی بتاکر نماز قضا ہونے سے بچالیں۔ اور ابھی ظہر کا وقت باقی ہے۔ اگر نہیں ہوئی ہوگی تو وقت کے اندر جو بھی نماز کا حکم ہوگا وہ بجالائیں گے ـــــ عین کرم ہوگا اگر جلد جواب عنایت فرمادیں۔

المستفتی: محمد ریاض الدین مصباحی مظفرپوری
خطیب و امام: جامع مسجد بلال
پھول سرائے-رام گڑھ، جھارکھنڈ (انڈیا)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: پہلے منع کیا، پھر اذان دی۔ اس کے بعد صدر دروازہ/گیٹ کھول کر نماز پڑھی۔ تو نماز جمعہ ہوگئی۔ پہلے جو منع کیا ہے اس کا اعتبار نہیں۔ منع کے بعد جو اذان دیا ہے۔ یہ اذان ہی "اذن عام" ہے کہ اذان اعلان واشتہار ہی کے لیے دی جاتی ہے، تاکہ لوگ نماز کے لیے آسکیں۔ تو اگر اب اذن واجازت کو ختم کرنے والا کوئی اور قول، یا فعل نہ پایا گیا تو "اذن عام" ثابت ہے۔

اب رہی یہ بات کہ منع کرنا اپنی زبان میں ہوا تھا جس کی وجہ سے ہر خاص وعام نے سمجھ لیا کہ ہمیں جمعہ پڑھنے کی ممانعت ہے۔ مگر اذان تو عربی زبان میں تھی جنھیں عربی سے ناآشنا افراد نہیں سمجھ سکے۔ تو اس کا جواب یہ کہ ہر مسلمان خواہ عربی زبان جانتا ہو کہ نہ جانتا ہو وہ اتنا ضرور سمجھتا ہے کہ نماز جمعہ کے وقت مسجدِ جمعہ میں اذان دینے کا مطلب مردوں کے لیے "نماز جمعہ و جماعت میں حاضری" کا بلاوا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے کی ممانعت معتبر نہ ہوگی کہ بعد کے "اذنِ حاضری "یعنی "اذان جمعہ "نے اس ممانعت کو باطل کر دیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ" (الجمعة: ۹)

یعنی: اے ایمان والو! جب نماز کے لیے صدا لگائی جائے (اذان دی جائے۔) تو ذکر الٰہی کی طرف چل پڑو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

وإنما كان هذا شرطا؛ لأن الله تعالى شرع النداء لصلاة الجمعة، بقوله: " فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ " والنداء للإشتهار.

نماز جمعہ میں اذن عام شرط ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ کے لیے ندا کا طریقہ رکھا ہے۔ اپنے اس فرمان: "فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ" کے ذریعے، اور ندا جمعہ کی شہرت وعام اطلاع

ہی کے لیے ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی فرماتے ہیں:

لایضر المنع قبلها أو بعدها ــــ یعنی نماز سے پہلے یا بعد میں ممانعت "اذن عام" میں نقصان نہ دے گی۔ (جد الممتار، ج:۳، ص:۵۹۷ مکتبۃ المدینہ، دعوت اسلامی)

خلاصہ یہ کہ خود اذان دینا اور ایسے وقت میں گیٹ کھول دینا۔ اس بات کی واضح علامتیں ہیں کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی جانب سے اذن عام موجود ہے؛ اور یہاں پر خاص نماز کے وقت، نماز جمعہ میں شرکت پر کوئی پابندی نہیں لگی ہے۔ اور یہاں جو اس سے پہلے نہ آنے کا اعلان کیا گیا اس کا اعتبار نہیں، اعتبار بوقتِ نماز اذن عام کے ثبوت کا ہے؛ جو کہ پالیا گیا۔ اور جمعہ کی نماز درست ہوگئی۔ بشرطیکہ دیگر شرائطِ جمعہ بھی پائے جاتے ہوں۔

♦ در مختار مع متن تنویر الابصار میں ہے:

والسابع: "الإذن العام" من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين ــــ یعنی: جمعہ جائز ہونے کی ساتویں شرط امام کی طرف سے "اذن عام" (عمومی اجازت) کا ہونا ہے۔ اور یہ عمومی اجازت اس طور پر حاصل ہوجاتی ہے کہ جامع مسجد کا دروازہ آنے والوں کے لیے کھول دیا جائے۔ (رد المحتار مع الدر، ج:۵، ص:۵۱، ۵۲، دار البشائر دمشق)

♦ خاتمۃ المحققین علامہ محمد امین معروف بہ ابن عابدین شامی حنفی اس شرط "اذن عام" کے تحت لکھتے ہیں۔

الظاهر اشتراط الإذن وقت الصلاة لا قبلها ــــ یعنی: ظاہر یہ ہے کہ "اذن عام" کی شرط نماز کے وقت پائی جائے، اس سے پہلے نہیں۔ (ایضاً، ص:۵۲)

♦ صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

بادشاہ نے اپنے مکان میں جمعہ پڑھا اور دروازہ کھول دیا لوگوں کو آنے کی عام اجازت ہے؛ تو ہوگیا۔ لوگ آئیں یا نہ آئیں۔ اور دروازہ بند کر کے پڑھا، یا دربانوں کو بٹھا دیا کہ لوگوں کو

آنے نہ دیں تو جمعہ نہ ہوا۔ (بہار شریعت، ج:۴، ص:۷۷۳ بحوالہ عالم گیری)

خلاصۂ کلام یہ کہ نماز جمعہ کے وقت "اذن عام" حاصل ہو یہی مطلوب و معتبر ہے جو کہ یہاں اذان دینے اور صدر دروازے کو کھلا چھوڑ رکھنے سے پالیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی اور مانع نہیں ہے تو نماز جمعہ صحیح ہو گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــــــــــہ فیضان سرور مصباحی
۲/شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۸/مارچ ۲۰۲۰ء

✱✱✱✱✱✱

واضح رہے کہ مذکورہ جواب مستفتی سے مزید استفسار احوال کے بعد تیار کیا گیا ہے۔ ورنہ تو عام حالات میں "اذانِ جمعہ" اگرچہ "اذن عام" ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی کی عبارت میں آپ نے ملاحظہ کیا۔ مگر جب کسی عرض عارض اور ہنگامی صورت حال کے پیدا ہو جانے کے سبب اذان صرف شعار اسلام کی حفاظت کے لیے دی جا رہی ہو تو ایسے میں اذان، "اذن عام" پر دلیل نہ ہو گی۔

پھر یہ بھی کہ یہ ابحاث ان مقامات جمعہ کے اعتبار سے ہیں جہاں جمعہ ہونا مشہور و متعارف ہو۔ اور جہاں جدید جمعہ کا قیام ہونا ہو وہاں اذن حضور سے قبل مزید شرائط درکار ہیں۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے۔)

"وقت جمعہ" برائے اذن عام

علامہ ابن عابدین شامی اور اعلیٰ حضرت بریلوی کی تحقیقات کا خلاصہ یہ نکلا کہ "وقت جمعہ" اذن کی شرط ہے۔ اس سے پہلے یا بعد میں شرط نہیں۔ اسی طرح قبل و بعد "مقام جمعہ" میں آنے سے روکنا "اذن عام" میں خلل انداز نہ ہوگا۔ اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اذن کے لیے "وقت جمعہ" کب سے شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟ کیونکہ بغیر حد بندی کیے قبل و بعد کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

___کیا یہ "وقت جمعہ" سے مراد وہ وقت ہے جو دیگر ایام میں ظہر کے لیے ظرف بنتا ہے؟

___کیا یہ "وقت جمعہ" اذان اول سے شروع ہوتا ہے اور دو رکعتی فرض نماز پر منتہی ہوتا ہے؟

___کیا یہ "وقت جمعہ" اذان ثانی سے شروع ہوکر دو رکعتی فرض نماز پر ختم ہوتا ہے؟

___کیا یہاں "وقت جمعہ" سے خطبۂ جمعہ اور نمازِ جمعہ کا وقت مراد ہے؟

___یا صرف دو رکعتی فرض نماز کا وقت "وقت جمعہ" کہلاتا ہے۔

خاص اس حوالے سے کوئی وضاحت تو ہم نہ پا سکے، لیکن متعلقہ دیگر مسائل پر فقہاے احناف کے ارشادات سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ درج ذیل ہے:

اذن کے بیان میں "وقت جمعہ" سے مراد وہ وقت ہرگز نہیں جو دوپہر میں سورج ڈھلنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور وقت عصر کی ابتدا سے پہلے پہلے ختم ہوجاتا ہے۔ بلکہ اس کو خاص سورۂ جمعہ کی آیت نمبر: ۹ر کی روشنی میں سمجھیں تو سیدھا مطلب یہ نکلتا ہے کہ "اذان اول" سے لے کر دو رکعت فرض کے مکمل ہونے تک رہتا ہے۔ مقیمین جمعہ کی طرف سے اگر ان اوقات میں منع ثابت ہو تو "اذن عام" کے منافی عمل ہوگا اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ" (الجمعۃ:۹)

یعنی اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی

طرف نکل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

اس آیت کریمہ میں ذکر اللہ سے مراد "نماز جمعہ" ہے، یا "خطبۂ جمعہ" اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق "نماز جمعہ" مراد ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مراد "خطبۂ جمعہ" ہے۔ بہر حال خواہ کوئی بھی معنیٰ اختیار کر لیں، مقصود ثابت ہے۔

"نماز جمعہ" مراد لینے کی صورت میں بھی "خطبۂ جمعہ" کا لحاظ ضروری ہے، کیوں کہ "خطبۂ جمعہ" انعقاد "نمازِ جمعہ" کے لیے شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ شرط کا لحاظ کیے بغیر مشروط پا لیا جائے۔

اور "خطبۂ جمعہ" مراد لینے کی توجیہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں "ذکر اللہ" سے مراد یہی خطبۂ جمعہ ہی ہے۔ یا یہ کہ مراد مطلقاً "ذکر اللہ" ہے۔ اور اس کے اطلاق و عموم میں "خطبہ" بھی داخل ہے کہ خطبہ ذکر الٰہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا واجبی طور پر مسلمانوں کو "خطبۂ جمعہ" میں شامل ہونا ہے۔

ملک العلما علامہ علاء الدین کاسانی حنفی (متوفی: ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

قیل "ذکر الله" هو صلاة الجمعة. وقیل : هو الخطبة. وكل ذلك حجة. لأن السعي إلى الخطبة إنما يجب لأجل الصلاة؛ بدليل أن من سقطت عنه الصلاة؛ لا يجب عليه السعي الى الخطبة. فكان فرض السعي إلى الخطبة فرضا للصلاة؛ لأن ذكر الله يتناول الصلاة، ويتناول الخطبة من حيث أن كل واحد منهما ذكر الله تعالى —— یعنی:

فرمان الٰہی: "فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ" میں "ذِکْرِ اللّٰہِ" سے مراد ایک قول کے مطابق "نماز جمعہ" ہے اور ایک قول کے مطابق "خطبۂ جمعہ" ہے۔ اور سب کے سب دلیل بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ خطبہ کے لیے جو سعی و کوشش واجب ہے۔ اس کی وجہ "نماز جمعہ" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص سے نماز جمعہ ساقط ہے۔ اس پر سعی جمعہ بھی واجب نہیں۔ لہٰذا

"سعیِ خطبہ" کا لازم ہونا، نماز جمعہ کے فرض ہونے کی بنیاد پر ہے۔

ایک مراد اس طور پر بھی ہے کہ "ذکر اللہ" نماز کو بھی شامل ہے۔ اور خطبہ کو بھی شامل ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک ذکر الٰہی ہے۔ (بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۱۸۲، ۱۸۳)

یہی علامہ کاسانی ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

وأما الخطبة فالدليل على كونها شرطا: قوله تعالى: "فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ "(الجمعة: ۹) والخطبة ذكر الله ؛ فتدخل الخطبة في الأمر بالسعي لها من حيث هي ذكر الله، فدل على وجوبها و كونها شرطا لإنعقاد الجمعة ـــــ یعنی:

خطبۂ جمعہ کے شرط ہونے کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ: "ذکر اللہ کی طرف چل پڑو" ہے۔ اور خطبہ" ذکر اللہ ہے۔ لہٰذا ذکر الٰہی ہونے کی حیثیت سے "خطبۂ جمعہ" "سعی اِلی ذکر اللہ" کے تحت داخل ہوگا۔ یا یہ کہ "ذکر اللہ" سے یہاں مراد خطبہ ہی ہو۔ اور خطبہ کی طرف سعی کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو یہ امر، خطبہ کے واجب ہونے پر اور انعقاد جمعہ کے لیے خطبہ کے شرط ہونے پر دلیل ہے۔ (أیضًا، ص:۱۹۸)

اتنی گفتگو کے بعد اب دیکھیے کہ مقصود اصلی "نماز جمعہ" ہے۔ لہٰذا اس میں حاضری فرض ہے۔ اور "خطبۂ جمعہ" انعقاد جمعہ کی شرط ہے۔ لہٰذا شرط کا پاس ولحاظ بھی چاہیے تاکہ شرط کے وجود کے بعد مشروط کا تحقق بھی ہوسکے۔ پھر جب "ذکر" کے تحت خطبۂ جمعہ اور نماز جمعہ دونوں آجاتے ہیں تو اب "فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ" کے عموم کا تقاضا یہ ہوگا کہ دونوں میں حاضری کا التزام ہوگا۔ چناں چہ اذان ہوتے ہی ان کی طرف سعی کو واجب کر دیا گیا۔ اور اس میں کسی طرح کی رکاوٹ کو برداشت نہیں کیا گیا حتیٰ کہ خرید و فروخت کو بھی، جو ایک حلال امر اور انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے، حرام قرار دیا گیا۔ اور "سعی" کے آغاز کا وقت کب سے ہونا چاہیے اس کو بھی صاف لفظوں میں قرآن کریم کی زبانی بتادیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا

الْبَيْعَ"(الجمعۃ:۹)

یعنی خرید وفروخت اور دیگر ضروریات زندگی سے الگ ہوکر ذکر اللہ کی طرف نکل پڑو۔ کب؟جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے اذان ہوتے ہی۔

نماز جمعہ کے وقت، محل جمعہ میں "اذان جمعہ" ہی "اذنِ حاضریِ جمعہ" کا اعلان واشتہار ہے۔اور یہیں سے "وقت جمعہ" شروع ہوجاتا ہے۔لہٰذا اس وقت "اذن حضور جمعہ" مقیمین جمعہ کی طرف سے پالیا جانا چاہیے کہ راجح قول کے مطابق "اذانِ اول" ہی سے مسلمانوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ محل جمعہ کی طرف نکلنے کی کوشش میں لگ جائیں۔ تاکہ "سعی اِلی الذکر" کے وجوب پر عمل ہوسکے۔اور سنت قبلیہ کے اہتمام کے ساتھ، شرط شی (خطبۂ جمعہ) پھر عین شی (نماز جمعہ) کے وقت انسان وہاں موجود رہے۔

علامہ عبدالعلی بن محمد بن حسین برجندی (متوفی:۹۳۵ھ) لکھتے ہیں:

فإذاً، أذان الأول تركوا البيع .في كنز العباد: المراد بـ"البيع"في الآية: البيع ومافي معناه من الأمور الشاغلة عن الجمعة ، وإنما خص "البيع"؛ لأنه من أعظم مقاصد الإنسان.

والمراد بالأذان الأول هو أول أذان وقع بعد الزوال—— سواء كان عند المنبر أو لم يكن —— لأن الإعلام به يحصل. ولا معتبر بالذي قبل الزوال. هذا هو الأصح. (شرح النقاية مختصرالوقاية، ص:۸۷ ، مخطوطه كامل)

توپہلی اذان ہوتے ہی لوگ خرید وفروخت ترک کردیں گے۔کنزالعباد میں ہے:آیت کریمہ میں "بیع" سے خرید وفروخت اور ہر وہ چیز مراد ہے جو بیع کے معنی میں ہو،یعنی کہ ایسے کام جو جمعہ سے دور رکھیں۔اور "بیع" کا خصوصی ذکر اس لیے ہوا کہ یہ انسان کے عظیم ترین مقاصد میں سے ہے۔اور یہاں اذان سے مراد وہ پہلی اذان ہے؛ جو زوال کے بعد ہوتی ہے۔خواہ منبر کے پاس ہو کہ نہ ہو،(یہ الگ بحث ہے۔)کیوں کہ اذانِ اول سے "اعلام" [جمعہ کی لوگوں کو

اطلاع دینا] حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اگر زوال سے پہلے اذان ہوئی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ هذا هو الأصح.

شامی میں ہے:

لأن اللّٰه تعالى شرع النداء لصلاة الجمعة، بقوله:"" فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ "والنداء للإشتهار ــــ یعنی:

اس لیے کہ یہاں اللہ تعالی نے اذان کو "نماز جمعہ" کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اپنے فرمان: "إِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ "(الجمعۃ:۹) کے ذریعے۔ اور یہ جو اذان دی جاتی ہے۔ وہ اجازتِ عام ہی کے لیے ہوتی ہے۔ (ردالمحتار، ج:۳ ص:۲۵، بہ تفصیل سابق)

فتاوىٰ عالمگیری میں ہے:

ويجب السعي ،و ترك البيع ؛ بالأذان الأول. (كتاب الصلوة، باب الجمعة، ج: ١، ص: ٢١٠)

اسی کو صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (متوفیٰ:۱۳۶۷ھ) نے بھی بیان فرمایا ہے:

پہلی اذان کے ہوتے ہی سعی واجب ہے۔ اور بیع وغیرہ ان چیزوں کا جو سعی کے منافی ہوں چھوڑ دینا واجب۔ [بہار شریعت، ح:۴، ص:۷۷۵، مکتبۃ المدینہ کراچی]

تو بھلا ایسے کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایک طرف جمعہ کے لیے اذان دی جائے جو کہ دراصل "نماز جمعہ" میں حاضری کا الارم ہوتی ہے۔ اور فرمان الٰہی کے مطابق اس کے لیے نکل پڑنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف لوگوں کو "محل جمعہ" میں حاضر ہونے سے روک دیا جائے یہ کہہ کر کہ ابھی نہیں خطبہ یا عین نماز کے وقت آنے دیں گے۔ یہ تو اذان جمعہ اور اذن عام کے سسٹم کے ساتھ کھلا تصادم ہوگا!!!

تو اب حاصل بحث یہ ہوا کہ عام حالات میں اذان اول ہی "اذن عام" ہے۔ اور اس

وقت سے دو رکعت فرض نماز جمعہ کے اختتام تک کا وقت "اذن عام" کے باب میں "وقت جمعہ" کہلاتا ہے۔ خاص اسی وقت عمومی اجازت شرط ہے، اس سے پہلے یا بعد میں نہ شرط ہے۔ نہ منع اور ممانعت اذن عام میں مضر ہوگا۔ هذا ما ظهر لي والله تعالى أعلم.

اتنی تفصیل کے بعد ایک بار پھر علامہ شامی کی عبارت کو بغور پڑھنا چاہیے، وہ لکھتے ہیں:

الظاهر إشتراط الإذن وقت الصلاة، لا قبلها لأن النداء للإشتهار كما مر، وهم يغلقون الباب وقت النداء أو قُبَيله. فمن سمع النداء، وأراد الذهاب إليها لايمكنه الدخول، فالمنع حال الصلاة متحقق، ولذا استظهر الشيخ "إسماعيل" عدم الصحة. ثم رأيت مثله في "نهج النجاة" معزيا إلى رسالة العلامة "عبد البربن الشحنة" والله تعالى أعلم ـــــ یعنی:

ظاہر یہ ہے کہ اذن عام کی شرط وقت نماز جمعہ پائی جائے، اس سے پہلے نہیں۔ کیوں کہ اذان کا مقصد جمعہ میں حاضر ہونے کا اعلان ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پس اگر لوگ اذان جمعہ - یا - اس سے ذرا پہلے ہی گیٹ بند کر لیں گے، تو جو اذان سن کر نماز جمعہ میں آنا چاہے گا اس کے لیے وہاں داخلہ ممکن نہ ہوگا۔ تب تو ایسی صورت میں حالت نماز میں ممانعت ثابت ہے۔ (اذن عام ثابت نہیں۔) اس لیے شیخ اسماعیل نے جمعہ صحیح نہ ہونے کا قول ظاہر فرمایا ہے، پھر میں نے اسی کے مثل حکم کتاب "نهج النجاة" میں علامہ عبد البر بن شحنہ کے ایک رسالہ کے حوالے سے دیکھا ہے۔ (ردالمحتار، ج:۳، ص:۲۶،۲۵)

ایک استفتا کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی رقم طراز ہیں:

اذن عام کہ صحتِ جمعہ کے لیے شرط ہے، اُس کے یہ معنی کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے، اُس شہر کے تمام اہل جمعہ کے لیے، وقت جمعہ، حاضریٔ جمعہ کی اجازت عام ہو ـــــ تو وقت جمعہ کے سوا باقی اوقاتِ نماز میں بھی بندش ہو تو کچھ مضر نہیں..... کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بادشاہ اپنے قلعہ یا مکان میں حاضری جمعہ کا اذن عام دے کر جمعہ پڑھے تو صحیح ہے

حالاں کہ قصر و قلعہ شاہی عام اوقات میں گزر گاہ نہیں ہوسکتے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۲۰۹، امام احمد رضا اکیڈمی۔ بریلی شریف)

خلاصۂ کلام یہ کہ اذن عام کے باب میں وقتِ جمعہ، اذان اول سے لے کر دو رکعت فرض کے مکمل ہونے تک رہتا ہے۔ مقیمین جمعہ کی طرف سے اگر ان اوقات میں منع ثابت ہو تو "اذن عام" کے منافی عمل ہوگا اور جمع صحیح نہ ہوگا۔ هذا ما ظهر لي. والله تعالى أعلم وأتم.

اذن خاص-اور اذن عام

"اذن" کی تفسیر میں "عام" کی قید ہی بتاتا ہے کہ یہاں "اذن خاص" معتبر نہیں؛ لہٰذا اگر ہزار، دو ہزار نمازی، جمعہ کے لیے خاص کر لیے جائیں، اور دیگر کو نماز جمعہ میں شرکت کی اجازت نہ ہو، تو یہ اذن عام کے منافی ہے۔ اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی متوفیٰ:۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

واحترز بـ"العام" عن "الإذن الخاص" بجماعة فيه، لا تصح إقامتها.

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، ج: ١، ص: ٣٤٤، مكتبة الاتحاد، هند)

یعنی: "عام" کی تقیید کے ذریعے اس "اذن خاص" سے احتراز مقصود ہے، جس میں کوئی جماعت اور قوم مخصوص ہو، کہ ایسی صورت میں جمعہ قائم کرنا درست نہ ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ومنها: الإذن العام: وهو أن تفتح أبواب الجامع، فيؤذن للناس كافة، حتى أن جماعة لو اجتمعوا في الجامع، و أغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم، و جمعوا؛ لم يجز. [كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٦٣، دار الكتب العلمية بيروت]

انھی میں سے ایک شرط "اذن عام" ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جامع مسجد کے دروازے کھول دیے جائیں اور سارے لوگوں کو حاضری کی اجازت دے دی جائے؛ لہٰذا اگر ایسا ہوا کہ ایک جماعت نے مسجد میں جمع ہو کر مسجد کے دروازے بند کر لیے، پھر نماز جمعہ ادا کی، تو یہ جمعہ نہ ہوا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اگر اجازت سو پچاس، یا ہزار دو ہزار کسی حد تک محدود ہے، جیسا کہ بعض الفاظِ سوال سے مستفادہ، اگر تمام جماعاتِ شہر جانا چاہیں نہیں جانے دیں گے، تو وہ مکان بندش کا ہے۔ اس میں جمعہ نہیں ہو سکتا۔

بدائع میں اشتراطِ اذن عام کی دلیل میں فرمایا:

تسمی جمعة لاجتماع الجماعات فيها، فاقتضٰى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور "إذنا عاما" تحقيقا له معنى الإسم . (فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۲۱۱، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

یعنی: جمعہ کا نام جمعہ اس لیے ہے کہ اس میں نماز پنج گانہ کی متعدّد جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام تر جماعتوں کو "اذن حضورِ جمعہ" حاصل ہو، تاکہ معنیٰ اسمی کا تحقق ہو سکے۔

بلکہ اگر سبھی کو آنے کی اجازت دی ہو، اور کسی ایک فرد کو بلاوجہ شرعی نہ آنے دیا جائے؛ تو بھی "اذن خاص" ہے۔ جمعہ درست نہ ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سے سوال ہوا کہ کلکتہ کے ایک قلعہ میں ملازمت کرنے والے سَتّر کے قریب مسلمان ہیں۔ نماز جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک مسلم شخص نے دوسرے مسلم بھائی سے حجت بازی کر کے مار پیٹ کر لی ہے۔ جس کی پاداش میں وہاں کے کرنیل نے اس تنہا مسلم شخص کو مسلمانوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہونے سے روک دیا ہے۔ ایسی صورت میں قلعہ کے اندر نماز جمعہ درست ہے، یا نہیں؟

اس کے جواب میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے بڑی تفصیل فرمائی ہے، ہم موضوع سے متعلق خصوصی اقتباس ذکر کر رہے ہیں:

جب تک کسی شخصِ خاص کو حاضریٔ نماز سے ممانعت نہ تھی، جمعہ بے شک صحیح ہو جاتا تھا، اب کہ اس ملازمِ جرنیل کو کو منع کیا گیا؛ تو محلِ نظر ہے کہ...الخ۔ [أیضا، ص:۲۱۱]

ـــــ ایک شخص کی ممانعت بھی اذن عام کی مُبطِل ۔ فقد مر عن الشامي، عن اسماعيل، عن البرجندي: أن لا يمنع أحد .(أیضا، ص:۲۱۲)

نتیجۂ بحث یہ ہے کہ بلاوجہ شرعی ایک شخص کو بھی آنے کی اجازت نہ ملی تو جمعہ نہ ہوگا۔

محلِ جمعہ اور اذن عام

قیامِ جمعہ کی ایک شرط مصر، یا فنائے مصر بھی ہے۔ ایسی جگہ محلِ جمعہ میں تعدد اور مقامات جمعہ کی مختلف صورت حال کے پیش نظر اذن عام کے احکام بھی ذرا مختلف ہو جاتے ہیں۔ تو جہاں جہاں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، اس کے حوالے سے یہاں تھوڑی سی گفتگو مقصود ہے، تاکہ آگے چل کر احکامِ اذن عام سمجھنے میں آسانی ہو۔

جامع مسجد میں جمعہ:

جمعہ شعار اسلام میں سے ہے۔ جس میں مسلمانوں کے اجتماعِ عظیم کے ذریعے شوکت اسلام و مسلمین کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ "جمعہ" کے پیش نظر مساجد کی تعمیر میں خصوصی اہتمام ہوتا ہے، یا پھر شہر کی بڑی مسجدوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ تاکہ مسلمانوں کا جمِ غفیر یکجا ہو سکے۔ یہ مقامات عربی میں "الجامع" یا "الجوامع" کے نام سے اور اردو میں "جامع مسجد" کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

شہر میں جامع مسجد کے علاوہ جگہ جگہ نماز جمعہ کے قیام سے چونکہ کہ اجتماعیت پراگندہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور شوکتِ اسلام و مسلمین میں خلل پڑتا ہے؛ اس لیے فقہاے احناف میں سے بعض نے خود ایک شہر کے اندر تعددِ جمعہ کی اجازت نہ دی ہے، بلکہ یہ حکم فرمایا کہ آس پاس کی مسجدیں جس میں پنج گانہ نمازیں ادا کی جاتی ہیں، بند رکھی جائیں تاکہ شہر کی متعدّد جماعتیں "مسجد جامع" میں شریک ہو کر قوتِ اسلام اور مسلمانوں کے عظیم اتحاد و اتفاق کا شاندار منظر پیش کر سکیں۔

علامہ شیخ محمد ابراہیم بن حلبی (متوفیٰ:۹۵۶ھ) لکھتے ہیں:

ثم إقامة الجمعة في موضعين، أو أكثر من مصر واحد، في "جوامع الفقه" عن أبي حنيفة روايتان: والأظهر عنه عدم جوازها في موضعين. (انتهى)

وقال شمس الأئمة السرخسي في المسبوط: الصحيح من قول أبي

حنيفة، ومحمد جوازها.

وعن أبي يوسف: تجوز بموضعين، لا غير، وعنه: لا تجوز بمصر في موضعين ؛ إلا أن يكون بينهما نهر فاصل، فيكون كل جانب كمصر له؛ ألا إن إقامة الجمعة من أعلام الدين. فلايجوز تقليلها، وفي إقامتها بأكثر من موضعين تقليلها.

ولهما: أن الشرط؛ المصر الجامع. وهو موجودفي كل فريق.

ولأن في الحصرفي موضع، أو موضعين حرجافي المدن الكبيرة ، وهو مدفوع.

وقد يكون فيه تهييج الفتنة، كأن يكون بين أهل مصر اختلاف؛ بحيث تثور الفتنة باجتماعهم، وقد أمرنا بتسكينها.

ـــــ وذكر في "التفريد" والأفضل هو الجامع الواحد، وذلك للخروج من الخلاف ، والخروج عن العهدة بيقين.

ـــــ وأما من حيث جواز التعدد، وعدمه. فالأول: هو الإحتياط؛ لأن الخلاف فيه قوي، إذ الجمعة جامعة للجماعات، ولم تكن في زمن السلف تصلى إلا في موضع واحد من المصر. وكون الصحيح جواز التعدد للضرورة للفتوى؛ لا يمنع شرعية الاحتياط للتقوى. [غنية المتمليفي شرح منية المصلي، فصل في صلاة الجمعة ، ص : ١٥٥ ، ناشر: عارف آفندی ، سند اولنمشذز]

یعنی: ایک شہر میں دو، یادو سے زیادہ جمعہ قائم کرنے کے بارے میں "جوامع الفقہ" میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ملتی ہیں، جن میں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ شہر واحد میں دو جگہ جمعہ جائز نہیں۔

حضرت شمس الائمہ سرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں فرمایا کہ صحیح قول کے مطابق

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک شہر واحد میں تعددِ جمعہ جائز ہے۔

اور امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ ایک شہر میں دو جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

انھیں سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک شہر میں دو جگہ جمعہ اسی وقت جائز ہے، جب کہ شہر کے بیچ میں کوئی نہر ہو جو اہل شہر کے درمیان حائل ہو جائے کہ ایسی صورت میں گویا ہر ایک کا کنارہ مستقل شہر کی طرح ہو گا۔

سنو! جمعہ قائم کرنا دین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اور شعائر اسلام میں کمی پیدا کرنے کی صورت اپنانے کی اجازت نہیں۔ اور دو سے زیادہ مقام پر جمعہ قائم کرنے میں تقلیلِ شعارِ اسلام لازم آتا ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شرطِ جمعہ ''مصرِ جامع'' ہے جو شہر کی ہر ایک جماعت میں موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک، یا دو مقام پر قیامِ جمعہ کو منحصر کر دینے کی وجہ سے بڑے بڑے شہروں میں حرج لازم آئے گا اور حرج کو دفع کیا جاتا ہے۔

عدمِ تعدد میں کبھی فتنہ انگیزی کی صورت ہو سکتی ہے، مثلاً شہر والوں کے درمیان کسی طرح کا اختلاف ہو، اور ان کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے فتنہ و فساد کھڑا ہو جائے گا، تو ہم نے اس فتنہ کو سرد کرنے کا علاج بتایا ہے۔

____ ''التفرید'' میں مذکور ہے: افضل وہی ایک جامع مسجد ہے، تاکہ اختلافی مسئلہ سے بچا جا سکے، اور یقینی طور پر ذمہ داری سے سبکدوش ہوا جا سکے۔

____ ایک شہر میں تعددِ جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ اس میں طریقۂ اَولی احتیاط ہے۔ کیوں کہ اس بارے میں اختلاف قوی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ متعدّد نماز پنج گانہ کی جماعتوں کو جمع کرتا ہے۔ اور دورِ اسلاف میں صرف ایک ہی جگہ شہر میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی تھی۔ اور تعددِ جمعہ کے

جواز کا صحیح ہونا فتوی کی ضرورت کے پیش نظر ہے۔ جو کہ تقوی کے احتیاط کو مشروع ہونے سے نہیں روکتا۔[إنتهى كلامُ الغنية تاريداً]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی لکھتے ہیں:

مذہب صحیح، و معتمد، و مفتی بہ میں تعدد جمعہ مطلقاً جائز ہے۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص: ۲۷۸]

پنج گانہ نماز والی مسجد میں جمعہ:

جامع مسجد نہ ہو، بلکہ پنج گانہ نماز والی مسجد ہو تب بھی شہر میں وہاں جمعہ جائز ہے، البتہ جامع مسجد میں جمعہ کے لیے جانا افضل ہے کہ یہی طریقۂ احتیاط ہے۔ اور اسی پر ثواب زیادہ ہے۔ ہاں اگر مسجدِ محلہ کا امام علم و فضل میں بڑھ کر ہو تو اب یہی افضل ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں:

جامع مسجد وہی ایک مسجد ہے۔ شہر میں متعدّد جگہ جمعہ ہونے کی ممانعت نہیں۔...جمعہ کا زیادہ ثواب جامع مسجد میں ہے، مگر جب کہ دوسری جگہ کا امام اعلم و افضل ہو۔(أیضا، ص:۳۲۳)

ایک جگہ رقم طراز ہیں:

جمعہ، جامع مسجد میں افضل ہے۔ مسجدِ محلہ کا حق نمازِ پنج گانہ میں ہے۔ (ایضًا، ص: ۳۳۱)

واضح رہے کہ تعدد جمعہ اگرچہ جائز ہے مگر شعار اسلام کا خیال رکھتے ہوئے بلا وجہ جگہ جگہ اقامتِ جمعہ سے گریز کرنا چاہیے۔

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے اس سلسلے میں بڑی فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

شہر میں متعدّد جگہ جمعہ ہو سکتا ہے، خواہ وہ شہر چھوٹا ہو یا بڑا اور جمعہ دو مسجدوں میں ہو یا زیادہ۔(در مختار و غیرہ)

مگر بلا ضرورت بہت سی جگہ جمعہ قائم نہ کیا جائے کہ جمعہ شعائرِ اسلام سے ہے اور جامع جماعات ہے، اور بہت سی مسجدوں میں ہونے سے وہ شوکت اسلامی باقی نہیں رہتی جو اجتماع میں ہوتی، نیز دفع حرج کے لیے تعدد جائز رکھا گیا ہے تو خواہ مخواہ جماعت پراگندہ کرنا اور محلہ محلہ جمعہ قائم کرنا نہ چاہیے۔[بہار شریعت ح:۴، ص:۷۶۷، مکتبۃ المدینہ کراچی]

عید گاہ میں جمعہ:

مسجد میں گنجائش نہ ہو تو عید گاہ میں نماز عید الفطر و نماز عید الاضحیٰ کی طرح نماز جمعہ بھی جائز ہے۔ اگرچہ اس وقت مسجد میں وقتی نماز نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی سے سوال ہوا کہ رامپور کے قصبہ شاہی میں صرف ایک مسجد، وہی جامع مسجد ہے، قدیم الایام سے اُس میں نماز جمعہ ہوتی ہے۔ اور ایک عید گاہ قریب آبادی کے ہے۔ اس میں نماز عید پڑھی جاتی ہے۔ فی الحال بوجہ کثرت نمازیاں گنجائش سب نمازیوں کی نہیں؛ اس لیے عید گاہ میں جمعہ پڑھتے ہیں۔ اُس روز جامع مسجد، نمازِ جمعہ سے بالکل خالی رہتی ہے۔ ایسی حالت میں کوئی باز پرس، تو اہل قصبہ سے، خداوند کریم بوجہ خالی رہنے مسجد کے، بروزِ حساب، نہ فرمائے گا؟ اور پڑھنے نماز جمعہ سے عید گاہ میں، کچھ نقصان عنداللہ و عندالرسول ہے یا نہیں؟

جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

جائز ہے۔ کچھ نقصان نہیں، نہ کوئی مواخذہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۲۵۷]

فلیٹ، مکان، یا میدان میں جمعہ:

جمعہ کے لیے شرط مصر، یا فنائے مصر ہے۔ اور شہر واحد میں تعدد جمعہ کی بھی گنجائش ہے؛ لہٰذا اگر حاجت کے پیش نظر کسی بڑے مکان، ہال، یا کسی میدان میں نماز جمعہ ادا کی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ جب کہ جمعہ کی دیگر شرطوں کا لحاظ بھی ہو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی رقم مطراز ہیں۔

تعدد جمعہ، در شہر، بر مذہب مفتی بہ رواست۔ ہم چناں اگر اماے معین برائے امامتِ جمعہ یابند، و در غیرِ مسجد، در شہر یا فنائے شہر ادا کنند؛ نیز روا باشد؛ زیرا کہ مسجد شرطِ جمعہ نیست۔ [أیضا، ص:۲۵۷]

یعنی: مذہب مفتی بہ کے مطابق شہر میں تعدد جمعہ بھی جائز ہے۔ یوں ہی اگر کوئی متعیّن امام پالیں، اور مسجد کے علاوہ شہر یا فنائے شہر جمعہ قائم کریں؛ تو یہ بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ مسجد شرطِ جمعہ نہیں۔

ایک مرتبہ سوال ہوا کہ ایک ایسے مکان میں جو کرائے پر لیا گیا ہو، جمع ہو کر جمعہ و عیدین ادا کر سکتے ہیں؟

اس کے جواب میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

جمعہ کے لئے شہر، یا فنائے شہر کے سوا، نہ مسجد شرط ہے، نہ بنا۔ مکان میں بھی ہو سکتا ہے۔ اذن عام درکار ہے۔ [أیضا، ص:۳۲۵]

قصر شاہی یا قلعہ میں جمعہ:

قصر شاہی، یا قلعہ میں بھی جمعہ کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ اذن عام اور اطلاع عام کے ساتھ اس جمعہ میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت ہو۔ نمازیا بھیڑ کے اندیشہ سے کوئی روک ٹوک نہ ہو۔

امام فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفیٰ:۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:

لو غلق باب قصره، وصلى بأصحابه، لم يجز لأنها من شعائر الإسلام و خصائص الدين، فتجب إقامتها على سبيل الإشتهار، وإن فتح باب قصره، وأذن للناس بالدخول فيه، يجوز. (تبيين الحقائق ،شرح كنز الدقائق، ج: ۱ ، ص: ۵۳۳)

یعنی: اگر سلطان اسلام نے اپنے محل کا دروازہ بند کر لیا۔ اور اپنے مصاحبوں کے ساتھ

نماز جمعہ پڑھی؛ توجمعہ نہ ہوا۔ کیونکہ جمعہ شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین سے ہے؛ لہٰذا اس کی ادائگی بروجہِ شہرت وعموم واجب تھی۔ (جو نہ پائے گی) اور اگر اپنے محل کا دروازہ کھول دیا، اور لوگوں کو اس میں داخلے کی اجازت دے دی توجمعہ ہو گیا۔

نکتہ: یہاں پر فقہائے کرام نے ایک نکتہ بیان کیا ہے اور وہ یہ کی عامۃ الناس اپنے دنیاوی معاملے میں بادشاہ کے محتاج ہوتے ہیں اور بادشاہ اپنے دینی معاملے میں عام لوگوں کا محتاج؛ کہ اگر انھیں شامل نہ کریں تو ان سلاطین کی نماز جمعہ ہی ادا نہ ہو سکے۔ مگر- سبحان اللہ -کیا شان بے نیازی ہے میرے پروردگار کی، کہ ساری دنیا اس کی محتاج ہے۔ اور وہ کبھی بھی کسی کا محتاج نہیں۔

علامہ زین الدین بن نجیم مصری حنفی (متوفیٰ: ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں:

فانظر إلى السلطان يحتاج إلى العامة في دينه، ودنياه احتياج العامة إليه.

-وقال السيد الطحطاوي الحنفي المتوفى: ۱۲۳۱ھ - فسبحان من تنزه عن الإحتياج ،بل كل أحد إليه يحتاج .(البحرالرائق، كتاب الصلاة ،باب الجمعة، ج: ۲، ص: ۲٦٤، حاشية الطحطاوي على الدر المختار ، ج: ۱، ص: ٢٤٤)

نوٹ: مکان یا قصر شاہی میں جمعہ قائم کرتے وقت مسجد کا خیال بھی مد نظر ہے۔ ویران کرنے کی صورت حال نہ پیدا ہو جائے، مثلاً اگر ایسا ہوا کہ کہیں جامع مسجد موجود تھی، اور پھر بھی اسے چھوڑ کر بلا ضرورت کسی مکان، یا محل میں جمعہ پڑھی گئی، تو یہ مکروہ ہے۔ کہ حقِ مسجد یہ تھا کہ اسے آباد کیا جاتا، مگر اس کے برعکس ویرانی کی کیفیت بن گئی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی لکھتے ہیں:

اگر وہاں مسجدِ جمعہ موجود تھی، اور اس میں نماز نہ ہوئی۔ اور گھر میں قائم کی؛ تو کراہت ہوئی۔ در مختار میں ہے:

لو دخل الأمير، وأغلق بابه، وصلى بأصحابه؛ لم تنعقد، ولو فتحه ، وأذن للناس إذنا عاما بالدخول؛ جاز.

ردالمحتار میں ہے:

لأنه لم يقض حق المسجد الجامع. [فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۳۳۹]

پھر یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ مسجد کے بجائے کسی بڑے میدان، عید گاہ، محل یا کسی اور جگہ جو جمعہ کے بارے میں معروف و مشہور نہ ہو، جمعہ قائم کر رہے ہو تو اذن عام سے قبل دو شرطوں پر خصوصی توجہ ضروری ہے: ایک تو یہ کی وہ جگہ "صالح اذن عام" ہو۔ دوسری یہ کہ لوگوں کو وقت نماز سے پہلے یہ اطلاع ہو کہ فلاں جگہ نماز جمعہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شہرتِ قیامِ جمعہ اور اذنِ عام

اذنِ حضورِ جمعہ: نماز جمعہ ادا کرنے والوں کی طرف سے، اس شہر کے تمام اہل جمعہ کے لیے، وقت جمعہ، حاضریٔ جمعہ کی کھلی اجازت ہو، کہ جس کا جی چاہے آکر ساتھ میں نماز پڑھ سکے۔ یہ "اذنِ حضورِ جمعہ" ہے۔ جس کی تعبیر "اذن عام" سے کی جاتی ہے۔

شہرتِ قیامِ جمعہ: یہاں پر ایک دوسری شرط بھی ہے، جو کہ فقہاے کرام کی عبارتوں میں اشارتاً مذکور ہے۔ اور ہم نے اس کا مختصر سا نام "شہرتِ قیامِ جمعہ" تجویز کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت جمعہ سے پہلے ہی لوگوں کے مابین یہ معروف و مشہور ہو کہ فلاں مقام پر جمعہ کی نماز ادا کی جائے گی۔

چناں چہ جب کسی مسجد، یا عید گاہ کو "محلِ اقامتِ جمعہ" بنانے کا ارادہ ہو تو شروع میں باضابطہ لوگوں کو اس جدید جمعہ کے قیام کی اطلاع دینی ہوگی۔ اور وہ بھی وقت جمعہ سے پہلے پہلے۔ تاکہ لوگ بروقت تیار ہو کر آسانی سے جمعہ میں شرکت کر سکیں۔ پھر جب قیام جمعہ و عیدین کے بارے میں وہ جگہ مشہور و متعارف ہو جائے تو اب یہی شہرت کافی ہوگی۔

یہاں پر خصوصی توجہ کا مقام یہ ہے کہ قدیم مساجد و عید گاہ میں عیدین و جمعہ کے قیام کی اطلاع عموماً لوگوں کو ہوتی ہے۔ لہٰذا وہاں کے لیے یہی عرف "شہرتِ قیامِ جمعہ" کافی ہے۔ مگر جب کسی وجہ سے ہال، مکان، میدان یا قصر شاہی وغیرہ میں نیا جماعت قائم کرنے لگیں، تو دیگر شرائط اور اذن عام یعنی "اذنِ حضورِ جمعہ" کے ساتھ ساتھ "شہرتِ قیامِ جمعہ" کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔ ورنہ اگر اس قیامِ جمعہ کی اطلاع لوگوں کو نہ تھی، اور آناً فاناً تھوڑے لوگوں نے جمع ہو کر جمعہ پڑھ لیا، تو اس طرح جمعہ منعقد ہی نہ ہوا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی (متوفیٰ: ۱۳۴۰ھ) لکھتے ہیں:

جمعہ میں کم سے کم تین مقتدی ہوں، جمعہ ہو جائے گا، زیادہ نہ مل سکیں، تو کچھ حرج نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ جمعہ و عیدین اعلان کے ساتھ ہوں، ظاہر کر دیا جائے کہ مسلمانوں کا جمعہ

وعیدین فلاں جگہ ہوگی، جسے اللہ تعالی ہدایت دے گا شریک ہوجائے گا۔[فتاویٰ رضویہ،ج:٦،ص: ٥٧٢]

ایک سوال کے جواب میں دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

یوں ہی جمعہ وعیدین بھی جائز ہیں، اگر عام شہرت واذن ہو کہ یہاں جمعہ، عیدین پڑھیں گے۔ جو چاہے آئے۔ واللہ تعالی اعلم [فتاویٰ رضویہ ج:٦،ص:٣٣٧، مطبوعہ بریلی]

ایک سوال کے جواب میں یوں رقم فرماتے ہیں:

جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں، مکان میں بھی ہو سکتا ہے، جب کہ شرائط جمعہ پائے جائیں۔ اور اذن عام دے دیا جائے۔ لوگوں کو اطلاع عام ہو کہ یہاں جمعہ ہوگا۔ اور کسی کے آنے کی ممانعت نہ ہو۔ اور اگر کوئی شرط جمعہ مفقود تھی، مثلاً:

نمازیوں میں وہاں اقامت جمعہ مشہور نہ تھی۔ بطور خود ان لوگوں نے پڑھ لی اور عام اطلاع نہ ہوئی، اگر چہ کسی کو آنے کی ممانعت نہ تھی۔ اگر چہ لوگوں نے اور مسجدوں میں پڑھی۔ تو ان صورتوں میں ان کی نماز نہ ہوئی۔ (ایضًا،ص:٣٣٩۔٣٤٠)

خلاصۂ گفتگو یہ کہ: "اذن حضور جمعہ" سے قبل "شہرت قیام جمعہ" بھی ضروری ہے۔ ورنہ جمعہ نہ ہوگا۔

اشتہار حضور جمعہ اور اذن عام

"شہرتِ قیامِ جمعہ" کے حوالے سے تفصیلی گفتگو آپ نے ملاحظہ کی، اب ایک نظر "اشتہارِ حضورِ جمعہ" پر بھی ڈال لیں، تاکہ دونوں کا واضح فرق مد نظر ہے اور آنے والی بحثوں کے سمجھنے میں مدد ملے۔

فقہ کی کتابوں میں ایک شرط یہ لکھی گئی ہے کہ جمعہ "بطریق اشتہار" قائم ہونا چاہیے، بعض جگہ یہ شرط "علی سبیل الاشتہار" کے عنوان سے بھی درج ہے۔

ملک العلما امام علاء الدین ابوبکر کاسانی حنفی (متوفی:۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

وذكر في النوادر شرطا آخر لم يذكر في ظاهر الرواية. وهو أداء الجمعة بطريق الإشتهار. [البدائع الصنائع ،ج : ٢، ص : ٢١٧]

یعنی: نوادر میں ایک اور شرط ہے جس کا ذکر ظاہر الروایہ میں نہیں، اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی ادائیگی اشتہار و عمومی اجازت کے طریقے پر ہو۔

علامہ زین الدین بن نجیم مصری (متوفی:۹۷۰ھ) کی عبارت پیش ہے:

الإذن العام: -أي شرط صحتها- الأداء على سبيل الإشتهار، ... لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين، فتجب إقامتها على سبيل الإشتهار. [البحرالرائق، ج: ٢ ، ص: ٢٦٤]

ترجمہ: اذن عام-یعنی صحتِ جمعہ کی شرط-نماز جمعہ کو "بر سبیلِ اشتہار" ادا کرنا ہے۔ چوں کہ جمعہ شعائر اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہے؛ لہٰذا "بر سبیلِ اشتہار" ادا کرنا واجب ہوگا۔

"بطريق الاشتهار" اور "على سبيل الاشتهار" کی وضاحت میں عظیم فقیہ علامہ عبد العلی بن محمد بن حسین برجندی (متوفی:۹۳۵ھ) لکھتے ہیں:

الإذن العام: بأن لا يمنع أحد ممن تصح الجمعة منه عن دخول الموضع الذي يصلي فيه. ـــــ وهذا مراد من فسر "الإذن العام" بـ"الأداء على سبيل

الإشتهار" . [شرح النقاية مختصر الوقاية، ص : ٨٦، مخطوطة كامل]

یعنی: اذن عام اس طرح کا ہو کہ جن کی جانب سے نماز جمعہ صحیح ہو جاتی ہے، ان میں سے کسی کو بھی روکا نہ جائے، اس جگہ داخل ہونے سے، جہاں نماز جمعہ پڑھی جا رہی ہو، یہی مراد ہے ان کی جنھوں نے "الإذن العام" کی تفسیر "الأداء على سبيل الإشتهار" کی ہے۔

علامہ برجندی کی عبارت سے استفادہ کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی (متوفیٰ: ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وهذا مراد من فسر "الإذن العام" بـ"الإشتهار" . وكذا في البرجندي، إسماعيل . [فتاویٰ شامي، ج: ٣، ص: ٢٥]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی اس کے تحت اپنے حاشیہ "جدالممتار" میں رقم فرماتے ہیں:

قوله: وهذا مراد من فسر "الإذن العام" بـ"الإشتهار"، كـ"الخلاصة" عن "شرح الجامع الصغير" للصدر الشهيد. حيث قال: من جملة ذلك: الإذن العام: -يعني الأداء على سبيل الإشتهار. [جد الممتار ، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٥٩٥]

یعنی: علامہ شامی کی بیان کردہ عبارت کے مثل "خلاصۃ الفتاوی" میں صدر الشہید علامہ حسام الدین عمر بن عبدالعزیز بن مازہ (متوفیٰ: ۵۳۶ھ) کی کتاب "شرح جامع صغیر" کے حوالے سے موجود ہے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں: ان شرطوں میں سے ایک شرط اذن عام بھی ہے، یعنی: بر سبیلِ اشتہار و عموم نماز جمعہ ادا کرنا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے "تنویر الابصار" کی عبارت: "و الثاني: السلطان" کے تحت لکھا ہے:

الإذن العام... فإن المراد بذلك: "الإذن الحضور" وكونه بحيث لا يخص به جمع، دون جمع. [جد الممتار ،ج: ٣، ص : ٥٨٢]

یعنی ''اذن عام'' سے مراد ''اذن حضور'' ہوتا ہے۔ اور یہ ''اذن حضور'' اس طور پر نہ ہو کہ کسی جماعت کو اذن میں خاص کر لیا جائے۔ اور کسی کو چھوڑ دیا جائے۔

ثابت ہوا کہ یہاں اذن عام، اذن حضور جمعہ، علی سبیل الاشتہار اور بطریق الاشتہار سب ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں ہیں۔ اور ان سب کے پیش نظر ہم نے اس شرط کے لیے ''اشتہارِ حضورِ جمعہ'' کی مختصر سی اصطلاح درج کی ہے۔

اذنِ عام اور اطلاعِ اذنِ عام

یہ بھی پیش نظر رہے کہ صرف "اذن حضورِ جمعہ" کافی نہیں، بلکہ لوگوں کو اس اذن کی اطلاع بھی ہونی چاہیے کہ فلاں جگہ نماز جمعہ "اذن عام" کے ساتھ ادا کی جارہی ہے، وہاں لوگوں کو نماز جمعہ میں شامل ہونے کی عام اجازت حاصل ہے۔ مساجد اور عید گاہ کے "اذن عام" سے سبھوں کا باخبر ہونا تو واضح ہے۔ مگر جب کسی مکان، ہال، یا محل شاہی میں جمعہ و عیدین کا انعقاد ہو تو اس پر توجہ کی خصوصی حاجت پڑتی ہے؛ لہٰذا اگر "اذن عام" کے طور پر دروازہ کھول کر نماز جمعہ پڑھی۔ اور لوگوں کو اس بات کا علم نہ تھا تو جمعہ منعقد ہی نہ ہوا۔

در مختار کی عبارت: "وأذن للناس بالدخول جاز" کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں:

مفاده: اشتراط علمهم بذلك. وفي "منح الغفار": وكذا -أي لايصح- لو جَمّع في قصره بحشمه، ولم يغلق الباب، ولم يمنع أحدا؛ إلا أنه لم يعلم الناس بذلك. [فتاویٰ شامی، قسم العبادات، باب الجمعة ج: ٥، ص: ٥٤]

یعنی: در مختار کی عبارت: "سلطان نے لوگوں کو جمعہ میں آنے کی اجازت دے دی تو جمعہ درست ہے" کا حاصل یہ ہے کہ قصر شاہی کا اذن عام لوگوں کے علم میں بھی ہو، تب اس شرط کے ساتھ نماز صحیح ہوگی۔

منح الغفار میں ہے:

اگر سلطان نے اپنے کارندوں کو قصر شاہی میں جمع کر لیا۔ اور نہ تو دروازہ بند کیا، نہ ہی کسی کو منع کیا، مگر معاملہ یہ تھا کہ لوگوں کو اس کا علم ہی نہ ہوا تو یہ جمعہ صحیح نہیں۔

ظاہر ہے کہ جب لوگ "اذن عام" سے بے خبر ہوں گے، تو پھر دروازہ کھولنا اور کسی کو نہ روکنے کا اصول کیا فائدہ دے گا؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ہیں:

اگر کوئی شرط جمعہ مفقود تھی، مثلاً نمازیوں میں وہاں اقامت جمعہ مشہور نہ تھی۔ بطور خود

ان لوگوں نے پڑھ لی اور عام اطلاع نہ ہوئی، اگرچہ کسی کو آنے کی ممانعت نہ تھی۔ اگرچہ لوگوں نے اور مسجدوں میں پڑھی۔ تو ان صورتوں میں ان کی نماز نہ ہوئی۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص: ۳۳۹-۳۴۰، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

ضمیمہ

بند دروازوں میں "اذن عام" کی فقہی تحقیق

[کرونا کرفیو کے تناظر میں]

از:

علماے کرام و مفتیان اسلام

اپنی بات

عالمی وبا کرونا وائرس کے پھیلنے سے فوری بچاؤ کی خاطر ہونے والے ''لاک ڈاؤن'' کے ماحول میں ''اذن عام'' کے ساتھ جمعہ ایک چیلنج تھا۔ کیوں کہ شرعاً اہل جمعہ میں سے کسی ایک کو روکنا بھی نماز جمعہ کے نہ ہونے کا سبب بنتا ہے۔ اور ادھر تو چار پانچ افراد کے سوا سبھی کو جمعہ بلکہ پنج گانہ جماعات سے بھی روکا جا رہا تھا۔ ایسے میں خاص جمعہ کی شرط ''اذن عام'' کا لحاظ کیسے کیا جائے؟ یہ مقام غور تھا۔

فقہی کتابوں میں جزوی طور پر قلعہ کا دروازہ بند ہونے، اور فتنہ و آزمائش اور دفع ضرر کے لیے بعض نمازیوں کے روکے جانے کے بارے میں کچھ بحثیں موجود تھیں۔ انھیں کی روشنی میں غور و فکر کا سلسلہ شروع ہوا۔

حضرت مولانا طارق انور مصباحی [کیرلا] کے توسط سے اس موضوع پر ایک استفتا آیا۔ جس کے بعد راقم الحروف فیضان سرور مصباحی [نزیل حال: جامعۃ المدینہ فیضان عطار - نیپال گنج نیپال] نے جواب کی تلاش شروع کر دی۔ فتاویٰ شامی، جد الممتار اور فتاویٰ ہندیہ کی چند عبارتوں نے جواز کی طرف میری رہنمائی فرمائی۔ مزید غور و خوض کے بعد قلب کا اسی پر جماؤ ہو گیا؛ لہٰذا میں نے جواز پر جواب لکھ کر ٹیلی گرام کے فقہی گروپ ''شرعی عدالت'' میں جواب دینے والے بعض علما و مفتیان کرام کو پیش کیا۔ مسئلہ چوں بالکل نیا تھا، اس لیے بعض نے تائید و تصویب اور شاباشی دی، تو بعض احتیاط پسند احباب نے ابھی اس کو جاری نہ کرنے کا عندیہ دیا۔ یہ ۴؍ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ کی بات ہے۔ صبح ہو کر خوشی کی انتہا نہ رہی جب قبلہ استاذ شاہد رضا مصباحی [مرکزی دار القراءت، جمشید پور] کی طرف سے سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی حفظہ اللہ تعالیٰ [جامعہ اشرفیہ مبارک پور] کا فتویٰ مبارک تشریف لایا کہ حضرت مفتی صاحب نے بھی جواز کا پہلو پیش فرمایا تھا۔ اور کرونا کرفیو کے تناظر میں بند دروازے میں بھی اذن عام کا ثبوت مانا تھا۔

فالحمد للّٰہ علی ذلك.

اس کے بعد عدم جواز کے حوالے سے بھی فقہی تحقیقات کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں حضرت مفتی شمشاد احمد مصباحی [جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی] کے فتویٰ کو مرکزیت حاصل رہی۔

غرض کہ جواب اور جواب الجواب کے طور پر ''اذن عام'' سے متعلق خوب و ناخوب مختلف فتاویٰ اور تحریریں سامنے آئیں۔ الحمد للہ تقریباً سبھی کو ہم نے بہت غور سے دیکھا و سنا۔ بعض فتاویٰ تو واقعی بڑی قیمتی اور فقہی تحقیقات سے لبریز تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لکھنے والوں کو جزاے خیر سے نوازے۔ مگر وہیں دوسری جانب بعض تحریروں میں بڑی کمزور باتیں دیکھنے کو ملیں۔ لگتا تھا کہ صاحب تحریر کو بس لکھنے کا شوق ہے۔ اذن عام کے مبادی و اصول کیا ہیں، ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بعض کی زبان اس قدر بازاری کہ خدا کی پناہ۔ جن کے بعد ہم نے تہیہ کرلیا کہ اس موضوع پر کچھ اصولی بحثیں مرتب ہوجانی چاہئیں، تاکہ -خدا نہ کرے -آئندہ کبھی پھر ایسی صورت حال پیش آئے تو اُس دَور کی نسلوں کو اس قسم کی صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ زیر نظر رسالہ ''اذن عام-چند اصولی مباحث'' اسی رویے کی صداے بازگشت ہے۔

''اذن عام'' سے متعلق چند اصولی بحثیں اور بھی لکھ چکا تھا، مگر مسئلہ کمپوزنگ اور وقت کی قلت کا تھا۔ پھر خیال آیا کہ ''اذن عام'' سے متعلق علماے کرام و مفتیان اسلام کے مابین ہونے والی چند حالیہ اصولی بحثیں ہی کیوں نہ شامل کرلیے جائیں، جو دلچسپ فقہی تحقیقات پر مشتمل ہیں۔ اور جن میں ضمناً وہ فقہی ابحاث بھی آجاتے ہیں، جنھیں میں اس رسالے کا حصہ بنانا چاہتا ہوں۔ چناں چہ اپنی تحریر سے صرف نظر کرتے ہوئے اب انھی ابحاث کو بطورِ ضمیمہ تاریخی ترتیب سے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ علماے دین اور مفتیان شرع متین کا صدقہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خطرات اور فتنوں سے بچنے کے لیے گیٹ میں تالا لگا کر نماز جمعہ ادا کیا تو شرط "اذن عام" باطل نہ ہوئی، نماز ہو گئی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضور! کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ مسجد میں گیٹ لگا کر جمعہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوئی کیوں کہ "اذن عام" ہونا شرط ہے اس میں، جو کہ نہیں پائی گئی۔

دراصل "کرونا وائرس" کی وجہ سے بھیڑ لگانے پر سخت پابندی عائد ہے۔ پائے جانے پر پولیس و حکومتی اہلکار گرفتار بھی کر سکتے ہیں۔ اس پر بڑی بے رحمی سے پٹائی بھی کر دی جاتی ہے۔ اس لیے ہمارے ہاں جمعہ سے پہلے ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ آپ لوگ اپنے اپنے گھروں میں ظہر پڑھ لیں۔

اس کے باوجود آج ایسا ہوا کہ جمعہ میں بھیڑ کی شدت ہوتی جا رہی تھی۔ اور پولیس کی کارروائی کا سخت اندیشہ تھا ـــــ اس لیے ہم لوگوں نے گیٹ لگا کر اس میں تالا لٹکا دیا تھا۔ پھر نماز شروع کی۔ تو ایسی حالت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ ـــــ نہیں ہوئی تو اب کیسے دہرایا جائے؟ اس کے بارے میں شرعی رہنمائی فرما دیں۔

سائل: محمد حسنین

گُملا، جھارکھنڈ (انڈیا)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: عام حالات میں جب کہ کسی قسم کا خوف اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو، جمعہ قائم کرنے والے،

گیٹ پر تالا ڈال کر جمعہ پڑھیں تاکہ اس کی وجہ سے وہ لوگ شریکِ جمعہ نہ ہو سکیں جنھیں جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔ تو ایسی صورت میں نمازِ جمعہ نہیں ہوگی۔ کہ جمعہ جائز ہونے کی ایک شرط "اذن عام" بھی ہے جو ایسے وقت میں نہیں پائی گئی ۔

در مختار مع متن تنویر الابصار میں ہے:

والسابع: "الإذن العام" من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين . ـــــ یعنی: جمعہ جائز ہونے کی ساتویں شرط "اذن عام" (عمومی اجازت) کا ہونا ہے۔ اور یہ عمومی اجازت اس طور پر حاصل ہوجاتی ہے کہ جامع مسجد کا دروازہ آنے والوں کے لیے کھول دیا جائے۔ (رد المحتار مع الدر ، ج: ٥ ،ص: ٥١، ٥٢، دارالبشائر دمشق)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ومنها: الإذن العام: وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن للناس كافة، حتى أن جماعة لو اجتمعوا في الجامع وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم وجمعوا؛ لم يجز. (الفتاوى الهنديه، ج:، ص: ١٦٣، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة دار الكتب العلمية بيروت)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اذن عام یعنی مسجد کا دروازہ کھول دیا جائے کہ جس مسلمان کا جی چاہے آئے کسی کی روک ٹوک نہ ہو، اگر جامع مسجد میں جب لوگ جمع ہو گئے دروازہ بند کر کے جمعہ پڑھا، نہ ہوا۔ (بہار شریعت، چہارم، ص:۷۷۳، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اور اگر روکنا دفعِ فتنہ، کسی سخت خوف اور دفع مضرت کے پیش نظر تھا تو نماز جمعہ ہوجائے گی۔ اور یہاں یہی صورت حال متحقق ہے۔ کہ محض فتنوں سے بچنے کے لیے ایسا کیا گیا، نہ کہ –معاذاللہ– ظلماً یا براہ تعصب روکنا ہوا، جو کہ "اذن عام" کو ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا آپ حضرات

کی نماز جمعہ ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس اجمال کی تفصیل:

کرونا وائرس کے خوف زدہ ماحول پر نظر رکھ کر غور کیجیے تو جمعہ کے وقت آپ کے یہاں یا دوسری مسجدوں میں تالا لگا لینا، یا جمعہ پڑھنے والے دیگر نمازیوں کے لیے گھر ہی میں نماز ظہر پڑھ لینے کا اعلان کرنا اس لیے نہ تھا کہ -معاذاللہ- انھیں نماز جمعہ سے روکا جا سکے، بلکہ فقط خوف، فتنہ و آزمائش سے بچنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے تاکہ جمعہ قائم کرنے والے پولیس یا حکومتی عملہ کے زدوکوب اور قانونی گرفت سے بچ سکیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی محقق بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

المضر إنما هو المنع عن الصلاة. و معناه أن تكون علة المنع هي الصلاة نفسها ، أو لازمها الغير المنفكّ عنها كالمنع كراهة الازدحام ـــــ والمنع للفتنة ليس كذلك، فكان كمنع المؤذي من دخول المساجد...فإن حقيقة المنع عن الإيذاء لا عن ذكر الله تعالى. فافهم. [جد الممتار على رد المحتار ،باب الجمعة ، ج: ٣، ص: ٥٩٦ -٥٩٧، مكتبة المدينة كراتشي]

یعنی: وہ جو "اذن عام" میں ضرر رساں ہوتا ہے وہ نماز سے روکنا ہے ـــــ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ روکنے کی علت (۱) خود نماز ہی ہو۔ (۲) یا پھر ایسا لازمِ نماز ہو جو اس سے جدا نہ ہو سکے۔ مثلاً اجتماع و بھیڑ سے ناگواری۔ (تبھی یہ اذن عام کے منافی ہوگا) ـــــ اور فتنہ و آزمائش کی وجہ سے نماز جمعہ سے منع کر دینا ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ایسا ہی ہوا جس طرح ایذا پہنچانے والے شخص کو مسجدوں میں داخل ہونے سے روک دیا جاتا ہے.... کیوں کہ یہاں منع کرنے کی حقیقت "ایذا و تکلیف سے روکنا" ہوتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ مسجدوں میں ذکر الٰہی سے روکا جاتا ہے۔

ہمارے یہاں انڈیا میں ۲۴/ مارچ ۲۰۲۰ سے پورے ملک میں لاک ڈاؤن یعنی کورونا کرفیو نافذ ہے کہ لوگ گھروں سے نہ نکلیں اور کہیں بھیڑ اکٹھا نہ ہو، یہاں تک کے عبادت خانوں میں بھی دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ ہاں مسجدیں بالکل معطل نہ ہو جائیں اس کے لیے صرف چار پانچ افراد کو احتیاط کے ساتھ جمع ہونے کی رخصت دی گئی ہے۔

محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی حفظہ اللہ تعالیٰ نے جو لیٹر پیڈ جاری کیا ہے اس میں آپ رقم فرماتے ہیں:

پولیس کا محکمہ اس کی تنفیذ کے لیے عمل میں آچکا ہے۔ اور پانچ آدمیوں سے زیادہ جماعت میں شریک ہونے پر لازمی طور پر پابندی عائد ہو چکی ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں امام اور نمازیوں کی گرفتاری بھی سننے میں آرہی ہے۔ اور کہیں کہیں مساجد میں تالے بھی لگا دیے گئے۔

کچھ جگہوں پر ہمارے نمائندہ وفد، جمعہ اور جماعت حسبِ معمول قائم رکھنے کے لیے انتظامیہ سے ملے، مگر اجازت نہ ملی۔ [لیٹر پیڈ: جامعہ اشرفیہ مبارک پور، انڈیا۔ جاری کردہ: ۲۵/ مارچ ۲۰۲۰ء، بعد نماز عشاء]

عالمی وبا کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کی غرض سے سخت سے سخت حفاظتی اقدامات کیے جا رہے ہیں اور حکومتی سختیاں دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ عمومی بھیڑ والے مقامات تو بہت دور کی بات ہے، خود عبادت خانوں میں موجود بھیڑ پر پولیس اندھا دھند لاٹھیاں چلا رہی ہیں۔ سوشل میڈیا سے جڑے ہوئے لوگ اچھی طرح واقف ہیں کہ بہت سی جگہوں پر جمعہ اور پنج وقتہ جماعات میں پانچ سے زیادہ لوگ ملے۔ تو پولس نے پہنچ کر بڑی بے رحمی سے پٹائی کر دی جس میں کئی نمازی بری طرح زخمی ہو گئے ہیں۔ اوپر پیش کردہ حضرت سراج الفقہا حفظہ اللہ تعالیٰ کے بیان میں بھی اس معاملے کی جانب اشارہ موجود ہے۔ غریب ائمہ مساجد اور مؤذنین کی گرفتاری

اور ان پر جرمانہ اس پر مستزاد۔

انڈین گورنمنٹ قانون کے پیش نظر آرٹیکل ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو جرم میں تین سال کے لیے قید کر سکتی ہے۔

جمہوری نظام حکومت میں جب عمومی طور پر کوئی قانون نافذ ہو جائے اور اس پر عمل درآمد بھی ہونے لگے تو پھر اس وقت قانون سے ٹکراؤ کی صورت کی اجازت شریعت بھی نہیں دیتی۔ پھر ناموس مسلم کو ذلت کے لیے پیش کرنا یوں ہی ممنوع۔

اور فقہاے کرام اس قاعدے کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حاکم وقت کے وعدہ اور وعید کے نفاذ پر قادر ہونا اور عوام کا اس کے سامنے بے بس ہو جانا عجز و معذوری کے لیے کافی ہوتا ہے۔ فی الفور اس قدرت کا نفاذ ضروری نہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ قیام جمعہ کی خاطر، شہر کی تعریف میں فقہا یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہاں کوئی ایسا حاکم ہو جو اپنے رعب و دبدبہ اور شوکت واقتدار کے بل بوتے پر ظالم سے مظلوم کا انصاف دلا سکے۔ اور لوگ اپنے مقدمات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے تفصیلی وضاحت کی ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ احکام کو نافذ کرنے کی اسے "قدرت" حاصل ہو یہ مراد نہیں کہ فوری طور پر احکام نافذ کرتا ہو۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: در مختار مع حاشیہ ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ، ج:۳، ص:٦، بیروت)

لہٰذا قانون کے نفاذ کا اعلان ہو جانے کے بعد بھی حکومتی عملہ کسی علاقے میں ایسی سختی نہ کرے؛ یہ الگ بات ہے۔ مگر چوں کہ قانونی طور پر اسے شکست وریخت اور پابند سلاسل کی قدرت حاصل ہے تو اب یہ امکان ہی عجز و معذوری کے لیے کافی ہوگا۔

پھر مسئلۂ دائرہ میں معاملہ فقط "امکان" ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ بعض جگہ اس امکان کا "وقوع" بھی ہو چکا ہے۔ مسجدوں میں نمازیوں پر ڈنڈوں کی برسات، بے رحمانہ پٹائی، مؤذنین اور ائمہ مساجد کی گرفتاری اور پھر خطیر رقم کا جرمانہ عائد کیا جانا۔ مسجدوں میں تالے لگ

جانے کے باعث غیر متعیّنہ مدت تک کے لیے بالکل نماز کا موقوف ہوجانا۔ غیر مسلم پولیس کا ائمۂ مساجد کے گریبان پکڑ کر دھکے دے کر مسجد سے باہر کرنا، پورے قوم مسلم کو عالمی وبا پھیلانے کا الزام لگاکر میڈیا کے تبصرے وغیرہ وغیرہ ـــــ قسم قسم کے فتنے اور آزمائشوں کا سامنا ہے۔

لہٰذا ان تمام فتنوں اور آزمائشوں سے بچنے کے لیے محض حکومت کی طرف سے اجازت یافتہ تعداد، مثلاً: چار پانچ اشخاص کا جمع ہوکر دروازہ بند کرلینا، اور پھر جمعہ باجماعت پڑھنا۔

اور دیگر نمازیوں کو ان فتنوں اور آزمائشوں کے خوف سے نہ آنے دینا ''اذن عام'' کے خلاف نہ ہوگا۔ بلکہ اب بھی ''اذن عام'' باقی رہے گا۔ جس طرح کسی چور، یا عورت، یا دشمن یا کوئی اور موذی کی وجہ سے دروازہ بند لینا اذن عام کو باطل نہیں کرتا۔ کہ یہ روکنا در حقیقت نماز سے روکنا نہیں ہے، بلکہ فتنہ سے بندش کے لیے ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

علما خود فرماتے ہیں کہ موذیوں کو مساجد سے روکا جائے۔ كما في "عمدة القاري" للإمام البدر محمود العيني، وفي "الرسائل الزينية" للعلامة زين بن نجيم المصري، وفي "الدرالمختار" : يمنع منه -أي من المسجد- كل مؤذ ، ولو بلسانه.

تو یہ روکنا ـــ کہ مطابق شرع ہے ـــ ''منافیٔ اذن'' نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ ج:٦، ص:٢١٢، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

خلاصۂ کلام یہ کہ موجودہ خوفناک حالات کے پیش نظر محدود تعداد کا جامع مسجد میں جمع ہوکر جمعہ و جماعات قائم کرلینا ـــــ اور باضابطہ اعلان کرکے، یا دروازہ بند کرکے دیگر لوگوں کو آنے سے روکنا تاکہ خطرات وفتنے سے بچا جاسکے ''اذن عام'' کے منافی نہیں۔ بلکہ ایسی صورت میں ''اذن عام'' محض ان ہی اشخاص -یا- تعداد میں دائر رہے گا جنھیں -یا- جتنے کو قانونی طور پر اجازت حاصل ہے۔ لہٰذا اگر خاص انھیں یا اتنی تعداد کے آئے بغیر دروازہ لگالیا۔ یا پھر کسی طرح آنے سے روک دیا تو ظاہر یہ ہے کہ اذن عام باطل ہوجائے گا۔ اور نماز جمعہ درست نہ ہوگی۔ هذا

ما ظهر لي، والعلم بالحق عند ربي. والله تعالیٰ اعلم.

کتبــــــــــہ فیضان سرور مصباحی
۳؍ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ
۲۹؍ مارچ ۲۰۲۰ء

لاک ڈاؤن[LOCK DOWN]اور کرفیو[CURFEW]کی حالت میں دفع ضرر کے لیے مسجد کا دروازہ بند رکھ کر بھی جمعہ کی نماز ہو جائے گی۔

محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا فتویٰ

۴؍شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ، بروز پیر: ۳۰؍مارچ ۲۰۲۰ء

محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین:

موجودہ حالات میں کرونا وائرس جیسی مہلک بیماری سے بچنے کے لیے حکومت نے پورے ملک میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے پانچ افراد ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس بنیاد پر حکومت نے تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کو بند کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ ہماری مسجدوں میں بھی تالے لگ گئے اور انتظامیہ کی طرف سے حکم یہ ہے کہ صرف امام مؤذن اور ٹرسٹیان ہی مل کر نمازیں ادا کریں۔ اور اگر زیادہ لوگ مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو امام اور ٹرسٹیان پر کیس کر دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں پولیس اس قدر سختی کر رہی ہے کی بعض علاقوں میں مسجدوں سے مصلیوں کو نکال نکال کر مارا گیا۔

انتظامیہ کی طرف سے نافذ اس پابندی سے حق مسجد تو ادا ہو جاتا ہے اور جماعت پنج گانہ کے ذریعے مسجدیں آباد بھی ہیں مگر جمعہ کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے۔

۲۷/مارچ ۲۰۲۰ کا جمعہ بے شمار علاقوں میں معطل رہا، وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے لیے اذن عام اور مسجد کا دروازہ کھلا رکھنا شرط ہے۔ اور موجودہ حالات میں دروازہ کھولا نہیں جا سکتا۔ ورنہ لوگ کثیر

تعداد میں آجائیں گے اور پھر وہی قانونی دشواری پیش آئے گی جس کا ذکر کیا گیا۔

لہٰذا اس صورتحال میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مجبوری کی صورت میں چند لوگ جو نماز پنجگانہ ادا کر رہے ہیں وہی لوگ اگر دروازہ بند کر کے نماز جمعہ بھی ادا کر لیں، تو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

واضح رہے کہ دروازہ مسلمانوں کی طرف سے بند نہیں کیا گیا ہے یہ تو حکومت کا دباؤ ہے اور وہ بھی ہماری حفاظت کے لیے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اذن عام کی شرط جو فقہ کی کتابوں میں بیان کی گئی ہے مثلاً در مختار، بہار شریعت، فتاوی رضویہ وغیرہ۔ یہ شرط کتب ظاہر الروایہ میں نقل نہیں کی گئی ہے، بلکہ یہ شرط کتب نوادر سے نقل کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہدایہ جیسی مشہور کتاب میں اس شرط کا کوئی ذکر تک نہیں ہے، اس لیے اس شرط کا موجودہ حالات میں لحاظ کیے بغیر جمعہ پڑھ لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ کم سے کم جمعہ تو پوری دنیا میں معطل نہ ہوگا جو شعار اسلام سے ہے۔ اور مسجدیں تو ویران نہیں ہوں گی۔ اور پھر کرونا وائرس کی ستم گری کا یہ سلسلہ کتنا دراز ہوگا اور یہ پابندی کب تک عائد رہے گی اس کا بھی کچھ علم نہیں۔ جس سے آنے والے کئی جمعے معطل ہو سکتے ہیں، جو کہ حرج عظیم بھی ہے اور مسلمانوں کو گوارا بھی نہیں۔ لہٰذا امید ہے کہ جمعہ کی بحالی کے لیے جواز کی کوئی صورت پیش کی جائے گی۔ بینوا توجروا.

المستفتی: محمد یوسف رضا قادری
بھیونڈی، مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: جمعہ قائم کرنے والے کم از کم چار افراد ہوں، ایک امام تین مقتدی، اور ان کی طرف سے اذن عام ہو تو کرونا کرفیو کے موجودہ حالات میں نماز جمعہ صحیح ہے کیوں کہ اس وقت جو کرفیو جاری ہے وہ تمام انسانی برادری کو "کرونا وائرس" کے مضر اور مہلک اثرات سے بچانے کے لیے ہے،

نماز اور جماعت نماز سے روکنے کے لیے نہیں، اس لیے اس کرفیو سے جمعہ کی ساتویں شرط ”اذن عام“ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

”کرونا وائرس“ کو ناگاساکی کے ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک مانا جا رہا ہے اور یہ ایک سچائی ہے کہ اس وائرس جہاں اپنے قدم جما لیے ہیں وہاں روز سینکڑوں لوگ ہلاک ہو رہے ہیں جیسے اٹلی، ایران، امریکہ، چین میں ہزاروں لوگ ہلاک ہو چکے۔ اس بیماری کی ابتدائی علامت زکام، سوکھی کھانسی، بخار ہے لیکن جن لوگوں کی قوت مدافعت اچھی ہے ان میں یہ علامت ابتداءً ظاہر نہیں ہوتی، لوگ انھیں ٹھیک سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں کے قریب ہونے سے ان کے وائرس (جراثیم) دوسروں کے بدن میں سرایت کر جاتے ہیں اور پھر واسطہ بواسطہ یہ وائرس منتقل ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کچھ دنوں بعد وہ حکومت کے کنٹرول سے باہر ہو جاتے ہیں پھر ہلاکتوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اس سے بچنے بچانے کی تدبیر ”سماجی دوری“ تجویز کی گئی ہے جس کے لیے ”لاک ڈاؤن“ اور ”جنتا کرفیو“ ضروری ہوا۔

لاک ڈاؤن کا اصل مقصود مطلقاً انسانی برادری کو ایک دوسرے کے قرب و اختلاط سے دور رکھنا ہے۔ جو وائرس کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے اور پھیلنے کا سبب ہے، تو یہاں جمعہ اور جماعت نماز سے روکنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف کرونا وائرس اور اس کے مضر و مہلک اثرات سے دور رکھنا مقصود ہے۔ اور ایسی ممانعت سے جمعہ کے ”اذن عام“ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

”اذن عام“ کا مطلب ہے ہر نمازی کو مسجد میں آنے کی اجازت۔ حالاں کہ عورتوں کو اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے اور موذی کو اندیشۂ ایذا کی وجہ سے مسجد آنے کی ممانعت ہے۔ تو جیسے اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو اور اندیشۂ ایذا کی وجہ سے موذی کو ممانعت ”اذن عام“ پر اثر انداز نہیں۔ اور جمعہ صحیح ہوتا ہے۔ ویسے ہی وائرس کے اندیشہ و ضرر کی وجہ سے عام انسانی برادری کو قرب و اختلاط سے ممانعت بھی ”اذن عام“ پر اثر انداز نہ ہوگی اور جمعہ صحیح ہو گا۔

در مختار میں ہے:

فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا المصلي، نعم لو لم يغلق لكان أحسن كما في مجمع الأنهر معزيا لشرح عيون المذاهب، اهـ. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج:١، ص: ٦٠١، باب الجمعة)

ترجمہ: کسی دشمن کی وجہ سے یا قدیم تعامل کی وجہ سے قلعہ کا گیٹ بند کر دینا اذن عام میں مضر نہیں ہے اس لیے کہ اذن عام اہل شہر کے لیے ثابت ہے اور گیٹ بند کرنا دشمن کو روکنے کے لیے ہے، ہاں اگر گیٹ بند نہ کیا جائے تو اچھا ہو گا جیسا کہ مجمع الأنھر میں شرح عیون المذاہب کے حوالے سے ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

فلا يضر إغلاقه لمنع عدو أو لعادة كما مر. ط.

دشمن کو روکنے کے لیے یا قدیم تعامل کی وجہ سے حاکم کا قلعہ کا گیٹ بند کرانا اذن عام میں خلل انداز نہیں۔ طحطاوی۔ (ردالمحتار ج:١، ص:٦٠١، باب الجمعة)

مختصر یہ کہ ممانعت کی بنیاد نماز و جماعت نماز ہو تو یہ اذن عام کے منافی ہوگی اور اگر اس کی بنیاد فتنے کا اندیشہ یا دشمن سے ضرر کا اندیشہ ہو تو وہ اذن عام کے منافی نہ ہوگی، لہٰذا جمعہ صحیح ہو گا۔

اور موجودہ حالات میں لاک ڈاؤن یا سماجی دوری کی بنیاد اندیشۂ ضرر ہے نماز و جماعت نماز نہیں ہے، لہٰذا باب مسجد بند ہونے کی صورت میں بھی نماز جمعہ صحیح و درست ہوگی، ہاں دروازہ کھلا رہے تو اچھا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ ظاہر الروایہ -جو اصل مذہب حنفی ہے- میں "اذن عام" کی شرط کا کوئی ذکر نہیں ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع، بحر الرائق اور ردالمحتار، باب جمعہ میں اس کی

صراحت ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ ہدایہ جیسی عظیم الشان کتاب میں بھی اس کا ذکر نہ ہوا، مگر کہا جا سکتا ہے کہ عدم ذکر، ذکر عدم نہیں ہے، کبھی کوئی بات دلیل کی روشنی میں مجتہد پر عیاں ہوتی ہے اس لیے وہ اس کے ذکر کی حاجت نہیں محسوس کرتے۔

خلاصہ یہ کہ:

(۱)-شاشن و پر شاشن کی طرف سے پانچ لوگوں کو جمعہ اور جماعت مسجد میں قائم کرنے کی اجازت ہے تو مسلمان اس کا لحاظ کریں، خلاف ورزی کی صورت میں اپنے آبرو کو آنچ آسکتی ہے جیسا کہ کچھ جگہوں پر ہوا۔

مسلمان اسے سنجیدگی سے لیں، باقی لوگ اپنے اپنے گھروں میں جمعہ کے بدلے تنہا تنہا ظہر کی نماز ادا کریں۔ اور مسجد والے جمعہ کے وقت دروازہ ہلکا سا کھلا رکھیں ۔

(۲)-اور اگر یہ محسوس کریں کہ دروازہ بند رکھنا چاہیے ورنہ دقت آسکتی ہے تو دفع ضرر کے مقصد سے دروازہ بند رکھ سکتے ہیں جیسا کہ دفع فتنہ و ضرر کے لیے بند رکھنے کی اجازت ہے جو فقہ حنفی کی معتمد و مستند کتب ”شرح عیون المذاہب، مجمع الانہر، در مختار، طحطاوی، اور رد المحتار میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــــــــــــــــــــــــــه محمد نظام الدين الرضوي

رئيس قسم الإفتاء و هيئة التدريس

بالجامعة الأشرفية بمبارك فور أعظم جراه

٤ /شعبان المعظم ١٤٤١ھ / ٣٠ مارس ٢٠٢٠م

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحت جمعہ کے لیے اذن عام کی شرط، لازم وضروری ہے اس کے بغیر جمعہ صحیح نہ ہو گا

فقہاے احناف نے صحت جمعہ کے لئے چھ شرطیں ذکر کی ہیں ان میں سے چھٹی شرط "اذن عام" ہے۔ اذن عام کا معنی ہے: لوگوں کو عام اجازت ہو کہ جن کا جمع صحیح ہوتا ہے ان میں سے کسی کو نماز جمعہ کی جگہ سے روکا نہ جائے۔ عامۂ کتب فقہ۔

ردالمحتار میں ہے:

الإذن العام: أي – أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلي فيه. (ج: ٣، ص: ٢٥، باب الجمعة)

اذن عام جمعہ قائم کرنے والے کی طرف سے ہونا چاہیے۔ اسی میں چند سطروں کے بعد علامہ شامی فرماتے ہیں: "فالمراد الإذن من مقيمها لمافي البرجندي" لہٰذا اگر کچھ لوگوں نے جامع مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور اس میں نماز جمعہ پڑھی تو جمعہ صحیح نہ ہوا۔

ہاں! اگر جمعہ کے امام ماذون نے نہ خود کسی مصلی کو روکنے کا اعلان کیا، نہ دروازے بند کیے، نہ ایسا کرنے پر کسی کو مامور کیا، بلکہ خود حکومتی عملہ نے روکا یا منع کیا تو اذن عام قائم رہے گا۔ اس صورت میں امام جمعہ کے ساتھ تین یا زیادہ لوگوں نے نماز جمعہ پڑھ لی تو نماز صحیح ہو گئی۔ اور فرض اتر گیا، ورنہ نہیں۔

اذن عام کی شرط اگرچہ ظاہر الروایہ میں مذکور نہیں ہے مگر یہ شرط ظاہر الروایہ کے خلاف بھی نہیں ہے۔ اور قاعدے کے مطابق ایسی روایت نوادر پر عمل واجب ہے، اسی لیے عامہ متون میں جو کہ نقل مذہب کے لیے وضع کئے گئے ہیں اس کو قائم رکھا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قلت: وعدم الذكر ليس ذكر العدم. ولا ريب في العمل برواية النوادر فيما لم

تخالف ظاهر الرواية ؛ فلذا جزمت به المتون مع وضعها لنقل المذاهب ” (جد الممتار، ج: ۲، ص: ٤٠٠) بلکہ خود علامہ شامی نے اس کا اعتراف کیا اور فرمایا:” ومشى عليه في الكنز والوقاية، والنقاية، والملتقى وكثير من المعتبرات .“لہٰذا اذن عام کی شرط کو نظر انداز کرنے کی گنجائش نہیں۔

اب رہ گئی بات کرونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن یا دفعہ ۱۴۴ کی جسے حکومت نے پورے ملک میں نافذ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے حکومت کے آفیسران نے مسجدوں میں جماعت کے لیے امام کو لے کر پانچ افراد سے زیادہ کا ہونا جرم قرار دے دیا ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں ان پر کیس بھی درج کیا جاتا ہے۔ اور پولیس کی سختیاں اور مار بھی جھیلنی پڑتی ہیں۔ تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ رکاوٹ حکومت اور پولیس کی طرف سے ہے اور وہ اگرچہ مقیمین جمعہ نہیں ہیں مگر وہ جمعہ قائم کرنے والوں سے روکنے کا اعلان بھی کرواتے ہیں ہیں اور دروازہ بھی انھی سے بند کرواتے ہیں؛ اس لیے مقیمین جمعہ بھی عام مصلیوں کو روکنے میں پولیس کے ساتھ شریک ہیں بلکہ خود سائل کو یہ اعتراف ہے کہ ”موجودہ حالات میں دروازہ کھولا نہیں جاسکتا ورنہ لوگ کثیر تعداد میں آجائیں گے۔“ اور اسی بات کا سوال بھی کیا گیا ہے، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ اس صورت میں اذن عام کی شرط مفقود ہے تو نماز جمعہ صحیح نہ ہوئی۔ بعض محققین کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ”اذن عام“ کا مطلب ہے کہ ہر نمازی کو مسجد میں آنے کی اجازت۔ حالاں کہ عورتوں کو اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے اور موذی کو اندیشہ ایذا کی وجہ سے مسجد آنے کی ممانعت ہے۔ تو جیسے اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو اور اندیشۂ ایذا کی وجہ سے موذی کو ممانعت ”اذن عام“ پر اثر انداز نہیں۔ اور جمعہ صحیح ہوتا ہے۔ ویسے ہی وائرس کے اندیشہ وضرر کی وجہ سے عام انسانی برادری کو قرب واختلاط سے ممانعت بھی ”اذن عام“ پر اثر انداز نہ ہوگی اور جمعہ صحیح ہوگا۔“ کیوں کہ انھوں نے عورتوں کے خوف فتنہ اور موذی کی ایذا رسانی پر وائرس کے ضرر کا قیاس یا اس کے ساتھ الحاق کیا جو کئی وجہوں سے فاسد ہے۔

اولاً: عورتوں اور موذی کے تعلق سے جو فساد ہے وہ موجود یا مظنون بظن غالب ہے، جب کہ وائرس کا معاملہ موہوم محض۔

ثانیاً: جس طرح پانچ سے زیادہ افراد کے جمع ہونے میں بقول آپ کے وائرس کے ضرر کا خطرہ ہے، وہی خطرہ پانچ کے بیچ میں بھی ہے، تو پھر ان پانچ کے سوا باقی نمازیوں کو روکنا صرف اس لیے ہوا کہ مسجد میں بھیڑ بھاڑ نہ ہو اور یہی حکومت کے لاک ڈاؤن اور دفع ۱۴۴ کے نفاذ کا مقصد ہے جبکہ بھیڑ بھاڑ سے روکنا بھی عین نماز سے روکنے کی طرح ہے کہ وہ نماز کا لازم غیر منفک ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ "جدالممتار" میں رقم طراز ہیں: "ومعناه أن تكون علة المنع هي الصلاة نفسها ،أو لازمها الغير المنفك عنها كالمنع كراهة الإزدحام." (ج:۲،ص:۴۰۱)

ثالثاً: مفتی صاحب نے کیسے یہ دعویٰ کر دیا کہ کرونا وائرس ایک مریض سے دوسرے مریض میں منتقل ہوجاتے ہیں، پھر اسی بنیاد پر تعدی امراض کے خوف سے مسجد کا دروازہ بند کر کے نماز جمعہ کی اجازت دیتے ہیں، جب کہ یہ بنیاد ہی فاسد ہے اور حدیث "لاعدوی" کے خلاف ہے جس میں "لا" نفی جنس کے لیے ہے جو ہر جنس مرض کی تعدی کی نفی کرتا ہے۔ فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ "الحق المجتلي في حكم المبتلى" میں اس مسئلہ کی پوری وضاحت فرمادی ہے جس پر کسی ترمیم واضافہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

جہاں تک در مختار کی عبارت "فلا يضر غلق باب القلعة لعدو...الخ" سے دروازہ بند کر کے جمعہ کی صحت پر استدلال کیا گیا ہے تو یہ استدلال بھی فاسد ہے، کیوں کہ اس کے تحت علامہ شامی نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے: أي : أن الإذن ههنا موجود قبل غلق الباب لكل من أراد الصلاة، والذي يضر إنما هو منع المصلين، لا منع العدو. (ج: ١، ص: ٦٠١ ، باب الجمعة)

اس عبارت میں علامہ شامی صاف فرما رہے ہیں کہ قلعہ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے

ان تمام لوگوں کو آنے کی اجازت ہوتی تھی جو نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے آنا چاہتے تھے (اور سب آجاتے تھے۔) نمازیوں پر دروازہ بند نہیں تھا بلکہ نماز کے وقت دشمنان اسلام کے حملے کے خوف سے قلعہ کا دروازہ بند کیا جاتا، اس لیے وہاں دروازہ بند ہونا اذن عام کے منافی قرار نہ پایا، جب کہ مسئلۂ دائرہ میں پانچ نمازیوں کے سوا تمام نمازیوں پر مسجد کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، دروازہ بند ہونے سے پہلے بھی تمام نمازیوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے بلکہ بہت سے نمازیوں کو مسجد کے دروازے سے لوٹایا بھی جارہا ہے بلکہ عام نمازیوں کو روکنے کے لیے بعض مساجد میں دروازے کی کنڈی بھی لگادی جاتی ہے یہ ضرور اذن عام کے منافی ہے، اس لیے مسئلہ دائرہ کا الحاق قلعہ والے مسئلہ کے ساتھ صحیح نہیں، مزید برآں وہاں دشمنان اسلام کا موقع پاکر حملہ آور ہونا مظنون بظن غالب ورنہ قلعہ کا دروازہ بند نہیں کیا جاتا، اور یہاں آنے والے نمازیوں میں وائرس کا ہونا موہوم اور اگر کسی میں وائرس ہو بھی تو اس سے دوسرے میں منتقل ہونا اور زیادہ موہوم، تو پھر ضرر موہوم کا ضرر متیقن یا ضرر مظنون بظن غالب پر قیاس یا الحاق کیوں کر صحیح ہو گا؟ ظاہر ہے کہ جب قلعہ کا دروازہ نمازیوں کے لیے بند ہی نہیں ہوتا تھا، صرف دشمنوں کے لئے بند ہوتا تھا، ادائیگی جمعہ کے لیے آنے والے تمام نمازیوں کو پھاٹک بند ہونے سے پہلے اندر لے لیا جاتا تھا تو وہاں دروازہ بند ہونا اذن عام کے منافی کیوں ہو گا؟ اور اگر وہاں بھی نمازیوں کے لیے قلعہ کا دروازہ بند ہوتا تو جمعہ صحیح نہ ہوتا اور یہ اسی در مختار کی عبارت میں موجود "لا المصلی" کے لفظ سے ظاہر ہے جس کا ترجمہ جان بوجھ کر مفتی صاحب نے چھوڑ دیا۔

الحاصل ہم مسلمانوں کو حکومت کے انتظامی احکام کو عمل میں لانا ضروری ہے۔ مخالفت کر کے اپنی عزت کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ اور نمازیوں کے سلسلے میں خود کو اتنا ہی مکلف سمجھیں جتنا آپ کی وسعت میں ہے۔ ارشاد رب جلیل ہے: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" اس لیے اہل شہر میں سے جن پر حکومتی عملہ کا خوف غالب ہو ان پر جمعہ فرض نہیں۔

در مختار میں ہے: "وشرط لإفتراضها تسعة تختص بها ....." انھیں میں سے

ایک شرط یہ بھی ذکر کی گئی: "وعدم خوف" علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں: "أي : من سلطان .... الخ" یعنی سلطان کا خوف نہ ہو۔ اور اگر حاکم کا خوف ہو تو جمعہ ہی فرض نہیں۔

ایسے لوگ بجائے جمعہ کے اپنے گھروں میں تنہا تنہا نماز ظہر ادا کریں۔ اور باقی گنے چنے لوگ جتنی تعداد حکام طے کر دیں، مسجد میں باجماعت جمعہ ادا کریں، ان کا جمعہ صحیح ہو جائے گا جبکہ مقیمان جمعہ مسجد کا دروازہ کھلا رکھیں یا کم از کم اندر سے کنڈی نہ لگائیں اور نہ ہی مسجد آنے سے کسی کو روکیں، نہ روکنے پر کسی کو مامور کریں۔ ایسی صورت میں اگر پولس کی طرف سے رکاوٹ آئے تو یہ اذن عام کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

استکتـــــبہ:

شمشاد احمد مصباحی

۸؍ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

۳؍ اپریل ۲۰۲۰ء

خادم جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

اس فتوی سے پہلے ایک فتویٰ نظر سے گزرا جس میں اذن عام کے منافی عمل کو بھی اذن عام مان لیا گیا اور مسجد کا دروازہ بند کر کے نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت دی گئی جو خلاف شرع ہے جس سے پرہیز لازم ہے میں حضرت مولانا مفتی شمشاد احمد صاحب کے فتوی کی تصدیق کرتا ہوں اور اسی پر مسلمانوں کو عمل کی تاکید کرتا ہوں۔ فهذا الجواب صحيح وهو تعالى أعلم.

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

۸؍ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

کرونا کرفیو اور بند دروازے میں "اذن عام" کے وجود وعدم کا قضیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کرفیو کے زمانے میں جب کہ حکومت کی جانب سے صرف پانچ افراد کو جمعہ کی اجازت ہے۔ اگر مسجد میں پانچ افراد جمع ہوجائیں اور اس خوف سے دروازے کو بند کر دیں کہ کہیں لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے پولس فتنہ نہ برپا کرے۔ تو یہ اذن عام کے منافی نہیں، بلکہ اس صورت میں نماز ہوجائے گی۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ:

- کسی بھی ایسے شخص کو روکنا اذن عام کے منافی ہے، جس کا جمعہ پڑھنا درست ہو اگرچہ وہ جمعہ کا مکلف نہ ہو۔
- لیکن وہیں دشمن کے خوف کی وجہ سے یا فتنہ کے اندیشہ سے دروازے بند کر دیے جائیں تو یہ اذن عام کے منافی نہ ٹھہرے گا۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

شرح عیون المذاہب پھر مجمع الانہر پھر در مختار پھر فتح العین علامہ ابوالسعود ازہری میں ہے: واللفظ له: الجمعة بالقلعة صحيحة وإن غلق بابها لأن الإذن العام مقرر لأهلها وغلقه لمنع عدو أوعادة قديمة لا للمصلي.

اور یہ روکنا درحقیقت نماز سے روکنا نہیں بلکہ فتنہ سے بندش ہے۔

كما فی الشامي عن الطحطاوي لا يضر منع نحو النساء لخوف الفتنة انتهى.

أقول: وتعليله بعدم التكليف معلول بما فی الشامي عن العلامة اسمٰعيل مفتی دمشق الشام تلميذ المحقق العلائي صاحب الدرالمختار عن العلامة عبد العلي البرجندی شارح النقاية أن الإذن العام أن لايمنع احدا ممن تصح منه الجمعة

كما لا يخفٰى. فافهم. (فتاویٰ رضویہ ج:۸،ص:۲۹۱)

- عورت کو فتنے کی وجہ سے روکنا اذن عام کے منافی نہیں جیسا کہ ابھی گزرا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ "جد الممتار" میں "شامی" کی اسی عبارت کے تحت فرماتے ہیں:

قوله: نحو النساء لخوف الفتنة.

أقول: لاشك أنهن ممن تصح الجمعة وإن لم يكن مكلفات بها، وقد علمت تعبير البرجندي بيد أنه يتراءى لي أن المضر إنما هو المنع عن الصلاة، ومعناه أن تكون علة المنع هي الصلاة نفسها أو لازمها الغير المنفك عنها كالمنع كراهة الازدحام، والمنع للفتنة ليس كذلك فكان كمنع المؤذي من دخول المساجد كما تقدم شرحا، فإن حقيقة المنع عن الإيذاء لا عن ذكر الله تعالى في المساجد، فافهم. (جد الممتار ج:۳،ص:۵۹۶)

یہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے صراحت کی ہے کہ فتنہ کی خاطر کسی کو روکنا اذن عام کے منافی نہیں کیوں کہ یہ حقیقت میں نماز سے روکنا نہیں۔

اب مسئلہ دائرہ میں غور کریں کہ ہمارے ہند میں ازدحام پر سختی سے پابندی لگائی گئی ہے۔ نماز میں بھی صرف پانچ افراد ہی کو جانے کی اجازت ہے۔ اگر کہیں پانچ افراد سے زائد ہوں تو پولس ڈنڈے برساتی ہے؛ لہٰذا ازدحام کو روکنے کے لیے اگر مسجد کے دروازے بند کر دیے جائیں، تو یہ اذن عام کے کیوں کر منافی ہو گا؟ کہ یہاں ازدحام کو روکنا نماز سے روکنے کے لیے نہیں بلکہ اس فتنہ کی وجہ سے ہے جو بعد نماز یا وقت نماز پولس کرنے والی ہے (یعنی ڈنڈوں سے پٹائی وغیرہ) اب مسلمانوں کی پولس بے حرمتی کرے۔ کیا شریعت مطہرہ ایک مسلمان کو اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسی ذلت کے مقام پر پیش کرے؟ ــــ ہرگز نہیں۔

اس مقام پر بعض احباب کو یہ شبہ ہوا کہ عورت چوں کہ مکلف نہیں اس لیے اس کا روکنا اذن عام کے منافی نہیں۔

اس کا ازالہ:

اذن عام کے منافی ہونے کے لیے مکلف کو روکنے کی شرط لگانا اور یہ کہنا کہ ”عورت مکلف نہیں لہٰذا اس کا روکنا اذن عام کے منافی نہیں“ یہ درست نہیں بلکہ اذن عام کے منافی ہونے کے لیے ہر اس شخص کو روکنا کافی ہے جس کا جمعہ پڑھنا درست ہے اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، بلکہ خود شامی کی عبارت میں موجود ہے، آپ ذرا الفاظ پر غور کریں:

قوله: الإذن العام: أي أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع التي تصلى فيه.

عورتیں یہ بھی اہل جمعہ سے ہیں۔

جد الممتار میں دیکھیں:

أقول: لا شك أنهن ممن تصح الجمعة وإن لم يكن مكلفات بها. (جد الممتار ج: ۳، ص:۵۹٦)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کوئی شک نہیں کہ یہ عورتیں ان افراد میں سے ہیں جن کا جمعہ پڑھنا درست ہے اگرچہ یہ جمعہ کی مکلف نہیں۔

اسی جد الممتار کے ایک سطر اوپر یہ بھی مذکور ہے کہ جب علامہ شامی نے در مختار کی درج ذیل **عبارت:** ”وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين“(الدر المختار) کے تحت **فرمایا:** ” قوله: للواردين: أي من المكلفين بها “(رد المحتار)

تو میرے امام بریلوی نے فرمایا: ”قوله: أي من المكلفين. اهـ.“

أقول تقدم تعبير البرجندي بمن تصح منه الجمعة وبينهما فرق ظاهر. (جد الممتار)

خلاصۂ کلام یہ کہ اذن عام کے منافی ہونے کے لیے کسی بھی ایسے شخص کو روکنا کافی ہے جو اہل جمعہ میں سے ہے، خواہ وہ مکلف ہو یا نہ ہو، اور عورتیں یہ بھی اہل جمعہ میں سے ہیں جیسا کہ

ابھی اوپر جد الممتار کے حوالے سے گزرا۔

اب آئیے اصل مسئلہ کی طرف:

جب یہ بات ثابت کہ فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو روکنا اذن عام کے منافی نہیں، حالاں کہ وہ اہل جمعہ میں سے ہیں تو اب جاننے کی حاجت یہ ہے کہ وہ فتنہ ہے کیا؟ وہ فتنہ ان عورتوں پر فساق وفجار کا دست درازی کرنا ہے۔

جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

(ويكره للنساء الشواب حضور الجماعة مطلقاً) يعني في جميع الصلوات، للفتنة والفساد، ولهذا يباح للعجائز الخروج في العيدين والجمعة بالاتفاق، لأنهن غير مرغوب فيهن، فلا فتنة. وكذا يباح لهن الخروج في الفجر والمغرب والعشاء عند أبي حنيفة، لأن من ظهر منهم الفتنة وهم الفساق: نائمـون في الفجر والعشاء، ومشغولون بالطعام في المغرب، وعندهما: يخرجن في الصلوات كلها كما في الجمعة، والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد."(منحة السلوك شرح تحفة الملوك ج:١ ،ص:١٧٠)

نوٹ: واضح رہے کہ اس پر فتن دور میں مطلقاً حضور مسجد سے عورتوں کو روکا جائے گا خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی۔

یہی کیفیت آج ہمارے ملک کی ہے کہ اگر مسجد میں پانچ افراد سے زائد نماز کے لیے آتے ہیں تو وہ زائد افراد فی نفسہ فتنہ ہوں یا نہ ہوں، البتہ فتنہ ان پر ہونا ہے۔ وہ اس طور پر کہ جو زائد افراد آچکے ہیں۔ ان کو تو پولس ڈنڈے سے نوازے گی ہی مزید وہ بھی نوازے جائیں گے، جو پہلے سے پانچ موجود تھے۔ اور یہ صرف ممکن ہی نہیں، بلکہ واقع بھی ہے۔ کئی ویڈیوز میں آپ نے بھی اس کو ملاحظہ فرمایا ہوگا۔

جب حکومت نے صرف پانچ افراد کو اجازت دی اس سے زائد آنے والوں پر پابندی

لگائی ہے تو اب اگر مسجد میں پانچ افراد جمع ہو جائیں اور اسی اندیشہ کے تحت دروازے کو اندر ہی سے بند کر لیں، تو یہ اذن عام کے منافی نہیں؛ کیوں کہ ان کے علاوہ کے آنے میں اندیشۂ فتنہ ہے؛ لہٰذا باقی افراد کو روکنا یہ نماز سے روکنا نہیں بلکہ ان کی وجہ سے ہونے والے فتنہ کا سد باب ہے۔

جس طرح عورتوں کے لیے دروازے کو بند کرنا اذن عام کے منافی نہیں اسی طرح اس کرفیو کے زمانے میں پانچ سے زائد افراد کو روکنے کے لیے دروازے کو بند کرنا اذن عام کے منافی نہیں۔ فافهم.

كتبـــــــــــــــــــــه محمد وسيم اكرم الرضوي
خادم التدريس جامعة المدينه نيبال
١١/ شعبان المعظم ١٤٤١ھ
٦/اپریل ٢٠٢٠ء

باسمہ تعالیٰ

از:
مفتی نظام الدین رضوی مصباحی
صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا
الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

لاک ڈاؤن میں جمعہ والے فتویٰ کے دلائل
مضمرات اور درخشاں جلوے

[ہم نے اپنے موقف پر نظر ثانی کر لی، وہ الحمدللہ حق ہے، صرف تشریح و تفہیم کی حاجت ہے۔]

فقہا کی عبارتوں کے اشارات و مضمرات میں جب کبھی تنہائیوں میں یک سوئی کے ساتھ غور فرمائیے تو ان کے ایسے درخشاں جلوے سامنے آتے ہیں کہ طبیعت جھوم اٹھتی ہے اور دل فرحت و کشادگی کے ساتھ یہ اعتراف کرتا ہے کہ واقعی یہ ''دُرّ مختار'' ہیں، یا ''مجمع الانہر'' یا ''فتح القدیر'' یا ''عطایا نبویہ'' وغیرہ، وغیرہ۔

ہم یہاں نہ سب کا احاطہ کر سکتے ہیں، نہ وقت میں سب کے شرح و بیان کی گنجائش ہے، اس لیے ہم ان کی عبارتوں کے صرف ایک پہلو کے جلوے دِکھاتے ہیں۔

کورونا وائرس (کووِڈ COVID-19) کے خوف زدہ ماحول میں سماجی فاصلہ رکھنے اور بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے لیے ۲۵/ مارچ سے لاک ڈاؤن اور دفعہ ۱۴۴ سختی کے ساتھ نافذ ہے جس کا اطلاق بلا امتیاز تمام عبادت گاہوں پر بھی ہوتا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر پولیس کے ذریعہ زدو کوب، ذلت و رسوائی اور گرفتاری و قانونی کارروائی کے خوفناک حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب کہ لوگوں کا شوقِ جمعہ انھیں مساجد کی طرف کھینچے لیے جاتا ہے اس لیے یہ سوال پورے مسلم سماج میں موضوعِ گفتگو ہو گیا کہ اب جمعہ کیسے ادا ہوگا، دروازہ بند کر کے جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

اس بارے میں دو طرح کے فتوے سامنے آئے:

پہلے فتوے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جمعہ کے وقت دروازہ کچھ کھلا رہ سکے تو بہتر ہے، ورنہ دفعِ ضرر کے لیے بند بھی کر سکتے ہیں اور جمعہ صحیح ہوگا۔

دوسرے فتوے میں کہا گیا ہے کہ دروازہ بند ہونے کی صورت میں جمعہ صحیح نہیں ہوگا کہ صحت جمعہ کے لیے اذن عام شرط ہے اور دروازہ بند کرنے سے یہ شرط نہیں پائی جاتی۔

جواز والا فتویٰ راقم الحروف کا ہے جس کے دلائل پر کچھ احباب کو کلام ہے اس لیے ہم ان دلائل کی تشریح و تفہیم کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: مسجد سے ممانعت کی بنیاد نماز یا جماعتِ نماز ہو تو یہ اذنِ عام کے منافی ہوگی۔ اور اگر اس کی بنیاد فتنے یا دشمن سے ضرر کا اندیشہ ہو تو وہ اذن عام کے منافی نہ ہوگی، لہٰذا جمعہ صحیح ہوگا اور موجودہ حالات میں لاک ڈاؤن اور دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی بنیاد مہلک وائرس سے اندیشۂ ضرر ہے، نماز و جماعتِ نماز نہیں ہے لہٰذا بابِ مسجد بند ہونے کی صورت میں بھی نمازِ جمعہ صحیح و درست ہوگی۔

در مختار میں ہے:

فَلَا يَضُرُّ غَلْقُ بَابِ الْقَلْعَةِ لِعَدُوٍّ أَوْ لِعَادَةٍ قَدِيمَةٍ لِأَنَّ الْإِذْنَ الْعَامَّ مُقَرَّرٌ لِأَهْلِهِ وَغَلْقُهُ لِمَنْعِ الْعَدُوِّ لَا الْمُصَلِّي، نَعَمْ لَوْ لَمْ يُغْلَقْ لَكَانَ أَحْسَنَ كَمَا فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ مَعْزِيًّا لِشَرْحِ عُيُونِ الْمَذَاهِبِ. اهـ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج:١، ص: ٦٠١، باب الجمعة)

ترجمہ: کسی دشمن (کے اندیشہ) یا قدیم تعامل کی وجہ سے قلعہ کا دروازہ بند کرنا اذن عام میں مضر نہیں ہے اس لیے کہ اذن عام اہل شہر کے لیے برقرار ہے اور دروازہ بند کرنا دشمن کو روکنے کے لیے ہے، نہ کہ نمازی کو روکنے کے لیے، ہاں! اگر دروازہ بند نہ کیا جائے تو زیادہ اچھا ہے جیسا کہ مجمع الانہر میں شرح عیون المذاہب سے ہے۔

اس پر کلام یہ کیا گیا ہے کہ دشمن کے حملے کا یقین یا ظن غالب ہو تو دروازہ بند کرنا جائز ہوگا اور یہاں تو نمازیوں میں کورونا وائرس کا وجود محض موہوم ہے، لہٰذا اس کی بنا پر دروازہ بند کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

تشریح وتفہیم:

(الف) اس بے مایہ نے یہ سمجھا کہ یہاں ”دشمن کے اندیشہ“ سے مراد دشمن کے آجانے کا شک ناشی عَن دلیل ہے، ظن غالب نہیں، کیوں کہ شرح عیون المذاہب، مجمع الانہر، اور در مختار تینوں میں باتفاق رائے یہ حکم مذکور ہے:

”لو لم يُغلق لكان أحسن ـــ دروازہ بند نہ کیا جائے تو احسن (زیادہ اچھا) ہے“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دروازہ بند کرنا حَسَن (اچھا) ہے۔ احسن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دروازہ کھلا رکھنا شبہۂ عدم اذن سے بعید تر ہے، دشمن کے حملے کا یقین یا ظن غالب ہوتا تو دروازہ بند کرنا صرف اَحسَن نہ ہوتا، بلکہ واجب ہوتا، طحطاوی علی الدّر ج:۱، ص:۳۴۴، کے ایک جزئیے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

أمّا إذا كان لمنع عدوّ، و يُخشى دخوله و هم في الصلاة فالظّاهِرُ وجوب الغلق.

ترجمہ: جب دروازہ بند کرنے سے مقصود دشمن کو روکنا ہو کہ عین حالتِ نماز میں دشمن کے آنے کا خطرہ ہے تو ظاہر یہ ہے کہ دروازہ بند کرنا واجب ہے۔

کلمۂ ”إذا“ ایسی شرط کے لیے آتا ہے جس کا وجود محقق ہو، مشکوک نہ ہو چناں چہ مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے:

”إذا ظرفُ زمان و يجيء للشّرط محقّقا ، فلا يدخل على ما هو على خطر الوجود، إلّا لنكتة . اھ . (مسلم الثبوت و فواتح الرحموت، ج:۱، ص: ۲۳۵)

یہاں ”إذا“ کی وجہ سے ”خشیت“ نے گمانِ غالب کا فائدہ دیا۔ تو اس عبارت کا حاصل یہی ہوا کہ نماز کی حالت میں دشمن کے آجانے کا ظن غالب ہو تو دروازہ بند کر دینا واجب ہے۔ لہٰذا عیاں ہو گیا کہ در مختار، وغیرہ میں جہاں دروازہ بند کرنا احسن بتایا گیا ہے وہاں دشمن کے حملے کا یقین یا ظنّ غالب نہیں ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ شریعت میں بعض کلامی مسائل کے سوا دیگر ابواب میں صرف عقلی شبہہ معتبر نہیں کہ وہ وہم محض ہے، ہاں شبہہ کے ساتھ کوئی قرینہ پایا جائے مثلاً بادشاہ یا حاکم سے عداوت رکھنے والے اس شہر میں پائے جاتے ہیں تو یہ شبہہ ناشی عن دلیل ہوگا اور بابِ ضرر میں اس کا اعتبار ہے جیسا کہ بہت سے جزئیات بلکہ اصول بھی اس کے شاہد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بابِ مسجد بند کرنا جائز ہوا، شبہۂ محض یا وہم محض ہوتا جو بس ایک ذہنی پیداوار ہے تو اجازت نہ ہوتی۔

(ب) اب ذرا در مختار کی عبارت "و غلقُه لمنع العدوّ لا المصلّي" میں ایک اور حیثیت سے غور فرمائیے، اصول فقہ کا ضابطہ ہے کہ جب حکم مشتق سے متعلق ہوتا ہے تو ماخذ اشتقاق حکم کی علت ہوتا ہے، یہ مسلّمات سے ہے جس کی صراحت نور الانوار، اور مسلّم الثبوت و فواتح الرحموت وغیرہ میں ہے۔ یہاں مصلّی کا لفظ مشتق ہے اور ماخذ اشتقاق صلاۃ۔ اس سے میں نے یہی سمجھا کہ ممانعت کی بنیاد نماز ہو تو وہ اذن عام پر اثر انداز ہوگی۔ جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے جس کے لیے امام کے سوا کم از کم تین نفر ہونا ضروری ہے اس لیے یہاں جماعت سے ممانعت کو بھی نماز سے ممانعت کے حکم میں شامل کیا پھر بڑی خوشی ہوئی جب جد الممتار کی یہ عبارت باصرہ نواز ہوئی:

إنَّ المُضِرَّ إنّما هُو المنعُ عنِ الصَّلاةِ ، و معناهُ: أن تكونَ عِلّةُ المَنعِ هي الصلاةُ نفسُها أو لازِمُها الغيرُ المُنفكُّ عنها كالمنعِ كراهةَ الازدِحامِ. و المنعُ للفتنةِ ليسَ كذلِك، فكان كمنع المُوذي مِن دخول المساجِدِ، فإنّ حقيقةَ المنع عنِ الإيذاءِ ، لا عن ذكرِ اللّٰه تعالىٰ في المساجدِ. فافهم. (جَدّ الممتار على ردّ المحتار ، ج: ٣، ص:٥٩٦، ٥٩٧، مكتبة المدينه)

ترجمہ: "اذن عام" میں مُضر صرف نماز سے روکنا ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ ممانعت کی علت خود نماز ہو یا لازمِ نماز جو اس سے جدا نہ ہو جیسے ازدحام سے ناگواری کی وجہ سے ممانعت۔ اور اندیشۂ

فتنہ کی وجہ سے روکنا ایسا نہیں ہے تو یہ مسجد سے موذی کی ممانعت کی طرح ہے کہ موذی کو روکنا در حقیقت ایذا سے روکنا ہے، یہ مساجد میں ذکر الٰہی سے روکنا نہیں ہے، اسے سمجھ لیجیے۔

فقیہ فقید المثال امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے بات بہت واضح فرمادی کہ:

"یہ دیکھا جائے کہ علتِ منع کیا ہے نماز ولازم نماز -یا- اندیشۂ فتنہ وایذا۔"

علت منع اگر نماز یا لازم نماز ہو تو اذن عام میں مضر ہوگا، اور اگر یہ نہ ہو، بلکہ اندیشۂ فتنہ و ایذا، وغیرہ ہو، تو اذن عام میں مضر نہ ہوگا۔

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ حکومت ایک محدود تعداد میں جماعتِ نماز وجمعہ کی اجازت دے رہی ہے اور اس سے زائد کو اس وجہ سے روک رہی ہے کہ ان سے وائرس پھیلنے کے خطرات زیادہ ہیں اور یہ وائرس زیادہ بھیڑ بھاڑ اور قرب واختلاط سے ہی بڑھ رہے ہیں تو یہاں ممانعت کی علت نماز ولازم نماز نہیں ہے، بلکہ ایک بھیانک اور مہلک وائرس ہے۔

مطلق "ازدحام" سے کراہت کی وجہ سے ممانعت، لازم نماز سے ممانعت ہے مگر جو ازدحام لازم نماز ہے وہ باب جمعہ میں ایک امام اور تین مردوں کی جماعت ہے، اتنے افراد شرط جمعہ پائے جانے کے لیے شرط ہیں اور ہمارے مسئلۂ دائرہ میں مطلق ازدحام یا جماعت سے نہ کراہت ہے، نہ ممانعت، بلکہ اس کی تو اجازت ہے، ہاں کثرتِ ازدحام سے نامعلوم افراد میں وائرس پھیلنے کے اندیشے سے ممانعت ہے کہ یہ کنٹرول سے باہر ہوگا۔

(ج) در مختار کے جزئیہ کو ہر گوشہ سے سمجھنا چاہیے تاہم یہ بات ضرور ملحوظ خاطر رہے کہ مسجد سے روکنے یا باب مسجد کے بند کرنے کے جواز کی علت بہر حال "منع العَدو" ہے کیوں کہ مسجد کے عامۂ مصلیان مسجد میں حاضر ہوں، مگر خوفِ عَدو نہ ہو تو باب مسجد بند کرنے سے اذن عام ختم ہو جائے گا۔ محیط برہانی اور ہندیہ میں اس کی صراحت ہے۔ محیط کی عبارت یہ ہے:

فإن فتح بابَ الدّار، و أذن للناس إذنا عامّا جازت صلاتُه **شهدها العامّة** أو لم يشهدها و إن لم يفتح باب الدّار و أغلق الأبواب كلها... لم

تجزئهم الجمعة. (ج: ۲، ص: ۲۸۵)

خلاصہ بقدر حاجت یہ ہے کہ سلطان نے اپنے محل میں جمعہ قائم کیا اور عامۂ مصلیان حاضر ہیں پھر بھی جمعہ صحیح نہیں ہے، اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہاں باب مسجد اندیشۂ دشمن کی وجہ سے بند نہیں ہوا ہے اس لیے اذن عام میں مضر ہو گیا تو اصل علت خوفِ عدو ہی ہے۔

(د) یہاں یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ "جو چیز ضرر پہنچائے" وہ عدو کے حکم میں ہے لہٰذا عدو والے جزئیے سے وائرس والے مسئلے میں استدلال بجا ہے۔

(ہ) جمعہ مسجد میں ہو یا محل، یا قلعہ میں ہر جگہ جمعہ صحیح ہونے کے لیے اذن عام ضروری ہے، اس بارے میں مسجد، محل، قلعہ سب کا حکم ایک ہے لہٰذا جس صورت میں محل یا قلعہ میں دروازہ بند کرنے کی اجازت ہوگی اس صورت میں مسجد کا دروازہ بھی بند کرنے کی اجازت ہوگی اس لیے دروازہ بند کرنے کے جواز اور عدم جواز میں مسجد اور قلعہ کے درمیان فرق نہ کیا جائے۔

دوسری دلیل: عورتوں کو اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے مسجد آنے کی ممانعت ہے پھر بھی اذن عام برقرار اور جمعہ صحیح ہوتا ہے ویسے ہی وائرس سے اندیشۂ فتنہ و ضرر کے باعث عامۂ ناس کو ازدحام سے ممانعت ہے اور اس سے اذن عام پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور جمعہ صحیح ہوگا۔

لقد نهیٰ عمرُ-رضي الله تعالى عنه-النّساء عن الخروج، إلى المساجد.

(رضوية عن العناية).

ترجمہ: حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے عورتوں کو مسجد جانے سے منع فرما دیا۔ اس کی علت صاحب ہدایہ -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- نے یہ بیان فرمائی:

لِمَا فيه مِن خوفِ الفتنة. (ج: ۱، ص: ۱۰۵، باب الإمامة، مجلس البركات)

"کیوں کہ مسجد کی حاضری میں فتنے کا اندیشہ ہے۔"

تشریح و تفہیم:

● فتنہ عورتوں سے بھی ہو سکتا ہے ● اور عورتوں پر بھی ہو سکتا ہے ـــــــ یہ عبارت

دونوں کو عام ہے، اور خیر القرون میں دونوں طرح کے فتنے نہ واقع تھے، نہ مظنون بظنّ غالب، بلکہ مشکوک و مشتبہ تھے، ہماری گفتگو اسی قرنِ مقدس تک محدود ہے، خدارا آج کے زمانے پر اُس زمانۂ خیر کو قیاس نہ کیا جائے۔

(الف) زمانۂ خیر میں عورتوں کی طرف سے فتنہ بس شبہہ کی حد تک تھا:

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن خواتین کو مسجد جانے سے روکا تھا وہ خیر القرون کی خواتین تھیں جو غلبۂ خیر و صلاح کے لیے اپنی مثال آپ تھیں، وہ صحابیات تھیں یا تابعیات، جو صالحات و عفیفات تھیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

● ''اب اگر ایک صالحہ ہے تو جب ہزار تھیں، جب اگر ایک فاسقہ تھی اب ہزار ہیں، اب اگر ایک حصۂ فیض ہے جب ہزار حصے تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''لا يأتي عام إلّا و الّذي بعده شرّ منه.'' (فتاوی رضویہ ج:۴، ص:۷۰۱، رسالہ: جمل النور، سنی دار الاشاعت)

● ''شرع مطہر کا قاعدہ ہے کہ جلبِ مصلحت پر سلبِ مفسدہ کو مقدم رکھتی ہے درءُ المفاسد أهمُّ مِن جلبِ المصالح. جب کہ (یعنی جس زمانے میں) مفسدہ اس سے بہت کم تھا اُس مصلحت عظیمہ (جماعت پنجگانہ و جمعہ) سے ائمۂ دین -امام اعظم و صاحبین و مَن بعدَھُم- نے روک دیا اور عورتوں کی قسمیں نہ بنائیں کہ صالحات جائیں، فاسقات نہ آئیں بلکہ ایک حکم عام دیا۔'' (ایضًا)

● ''کرمانی نے قول امام تیمی (نقل کیا کہ) اس حدیث میں فسادِ بعض زنان کے سبب سب عورتوں کی ممانعت پر دلیل ہے۔'' (ایضًا: ص ۷۰۲)

● عبارتِ غنیہ کہ آپ نے نقل کی... دیکھیے اسی منع مساجد سے سند لی جس کا حکم عام ہے۔ تو لِمَافي خروجهنَّ في الفساد سے ''فسادِ بعض'' ہی مراد، اور اسی سے مَنعِ کُل مستفاد، نہ کہ صرف فساد والیوں پر قصر ارشاد'' [یعنی حکم ممانعت صرف غلط عورتوں کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام صالحات کو بھی عام ہے اور فساد سے مراد بعض عورتوں کا بگاڑ ہے۔ن] (فتاویٰ

رضویہ ج:۴، ص:۱۷۳، رسالہ: جمل النور، سنی دارالاشاعت، مبارک پور)

ہمارے استدلال کا مرکز یہی صالحات وعفیفات ہیں۔

(ب) عورتوں پر مردوں کی طرف سے فتنہ بھی شبہہ کی حد تک تھا:

عامۂ صحابۂ کرام و تابعین عظام -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- صالحین سے تھے، فُسّاق نہ تھے، بالخصوص صحابۂ کرام کہ سب عادل تھے اور زبانِ نبوت سے انھیں ''خیار امت'' کا لقب ملا ہے، تو صحابہ و تابعین پر فسق و فجور کا ظن غالب نہیں ہو سکتا، جب کہ عورتوں پر فتنہ فُسّاق ہی سے ہو سکتا ہے اور کتبِ فقہ میں اسی کی صراحت بھی ہے۔

یہ ساری گفتگو خیر القرون کی خواتین اور مردوں کے بارے میں ہے جب عورتوں میں عفت و پارسائی اور مردوں میں تقویٰ و پرہیز گاری عام تھی، مگر بعض کے بگاڑ کے سبب سب کو جمعہ و جماعت کی حاضری سے روک دیا گیا۔

کیا معاذ اللہ خیر القرون کی ان مقدس خواتین اور پاکباز مردوں میں فساد و بگاڑ مظنون بظن غالب تھا، ہزار بار خدا کی پناہ۔ کیا ان کے متعلق کوئی مسلمان ایسا سوچ سکتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ بعض کے بگاڑ کی وجہ سے سب کو مسجد کی حاضری اور جماعتِ پنج گانہ اور جمعہ جیسے شعار اسلام سے روک دیا گیا۔

یہ بے مایہ -جو مکتبِ فقہ کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہے- یہی سمجھتا ہے کہ جس باب میں اصل منع ہوتا ہے وہاں شبہہ کی بنا پر بھی حکم جاری ہوتا ہے، ہاں شبہہ محض عقلی نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کی تایید میں کوئی دلیل ہونی چاہیے اور ''فساد بعض'' اس شبہہ کی یک گونہ تایید کرتا ہے، اس طرح یہ ''شبہہ ناشی عن دلیل'' تھا اور کتب فقہ میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں جو فقہا سے مخفی نہیں۔

جدید کورونا وائرس بذاتِ خود کوئی بیماری نہیں، بیماری کا سبب ہے: یہ بذاتِ خود کوئی بیماری نہیں، بلکہ فی الواقع یہ بیماری کا سبب اور ایک جاندار مخلوق ہے جس سے کوئی چار ماہ پہلے

دنیا متعارف ہوئی، اس کا حجم اتنا معمولی ہوتا ہے کہ ایک خاص قسم کے خوردبینی آلہ (الکٹران مائیکرواسکوپ) سے ہی اس کا مشاہدہ ہوتا ہے عام خوردبین سے نہیں۔ یہ دنیا کے لیے عذاب، آزمائش اور درس عبرت ہے، یہ بڑی خاموشی کے ساتھ منھ اور ناک کے ذریعہ حلق تک پہنچتا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد اس کا مسکن پھیپھڑا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا شکار سانس کے تناؤ اور خشک کھانسی اور شدید بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہ مرض کھانسی، زکام کے مرض سے بہت مشابہ ہے اس لیے صرف طبی جانچ کے بعد ہی یہ معلوم ہو پاتا ہے کہ یہ "جدید کورونا وائرس" ہے۔

"عالمی ادارۂ صحت (ڈبلیو، ایچ، او) کے مطابق کورونا وائرس کی عام علامات سر درد، کھانسی، بخار، تکان اور سانس لینے میں پریشانی ہے، اس کی علامات کو ظاہر ہونے میں پانچ سے سات روز کا وقت لگتا ہے، مریض کے اندر اس کی علامات چودہ سے بیس دنوں تک بنی رہتی ہیں، ڈبلیو، ایچ، او کے مطابق عام بخار اور کورونا انفیکشن کی بہت سی خصوصیات ایک جیسی ہیں، بغیر طبی ٹیسٹ کے اس کو فرق کر پانا بہت مشکل ہے۔ سردی، بخار، گلے میں انفیکشن، فلو اور کورونا دونوں کی عام علامات ہیں لیکن ڈبلیو، ایچ، او کے مطابق کورونا سے متاثرہ شخص کو سانس پھولنے کی شکایت ضرور رہتی ہے۔" (روزنامہ انقلاب، ۳/ اپریل، جمعہ ص: ۷)

ڈاکٹر زبیر صدیقی (ایم بی بی ایس، ایم ایس) نے بتایا کہ

"مریض کے اندر کورونا کی علامات چودہ سے بیس دنوں تک رہ سکتی ہیں اس کا انحصار قوت مدافعت پر ہے کہ مریض کی یہ قوت کمزور ہو تو کچھ کم و بیش بیس دنوں تک بھی یہ علامات پائی جاسکتی ہیں اور قوت اچھی ہو تو چودہ روز بھی بہت ہیں۔

سردی، زکام میں اس مرض کی وجہ سے سانس نہیں پھولتا اور کورونا کے مریض کا سانس ضرور پھولتا ہے اور تیز تیز پھولتا ہے، اس میں سردی، زکام کے مقابل بخار زیادہ تیز ہوتا ہے، سردی، زکام میں کھانسی بلغمی ہوتی ہے اور اس وائرس میں خشک ہوتی ہے۔ مریض کے فوت ہو

جانے کے بعد اندر کے جراثیم باہر نہیں آپاتے، وہ وہیں ختم ہو جاتے ہیں، ہاں جسم کے اوپر یہ جراثیم ہو سکتے ہیں۔"

عالمی ادارۂ صحت کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے:

"کورونا وائرس انسانی پھیپھڑوں میں رہتے ہیں اور سانس کا دورانیہ بند ہو جانے کے بعد یہ جراثیم مردہ ہو جاتے ہیں اور سانس بند ہونے کے سبب باہر نہیں ہوتے۔" (روزنامہ انقلاب)

● الغرض ایک تو یہ وائرس مکھی، مچھر، جوویں کی طرح نظر نہیں آتے کہ دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ بدن میں سرایت کر رہا ہے۔

● دوسرے اس کی علامات پانچ، چھ دن کے بعد ظاہر ہونی شروع ہوتی ہیں۔

● تیسرے ان کی علامتیں کھانسی، زکام سے حد درجہ مشابہ ہوتی ہیں اس وجہ سے مریض یا عام آدمی، بلکہ ڈاکٹر بھی ٹیسٹ سے پہلے یہ سمجھ نہیں پاتے کہ یہ "جدید کورونا وائرس" کے سبب ہے۔

● چوتھے یہ کہ اس کے لیے طبی جانچ کا انتظام ہمارے ملک میں بہت محدود ہے جس سے اس وائرس کی شناخت ہو سکتی ہے اور دوسرے ملکوں میں بھی جانچ کے انتظامات بہت وسیع پیمانے پر نہیں ہیں۔

● پانچویں یہ کہ دنیا کے پاس اس کا کوئی معین اور شافی علاج نہیں ہے، ابتداءً ایک اندازے سے علاج ممکن ہوتا ہے، بعد میں دشوار ہو جاتا ہے اس لیے دنیا نے عافیت اسی میں سمجھی کہ اس وائرس سے بچنے کی تدبیر اپنائی جائے اور وہ تدبیر ہے "سماجی فاصلہ" جس کے لیے گھروں میں محدود رہنا، کسی جگہ پر بھیڑ نہ لگانا، اپنے ربط وضبط اور چھینک وتھوک وکھانسی سے دوسروں کو بچانا ضروری ہے اس لیے لاک ڈاؤن کا نفاذ ہوا، لاک ڈاؤن کوئی نعمت نہیں، بلکہ یہ خود ایک ضرر ہے مگر ضرر عام سے بچانے کے لیے ضرر خاص کو مجبوراً گوارا کیا گیا ہے۔

● دسمبر ۲۰۱۹ء کے اخیر میں چین کے شہر "ووہان" میں اس وائرس نے جنم لیا، چین نے

لاک ڈاؤن کر لیا تو اس کے دوسرے صوبے محفوظ رہ گئے، مگر بہت سے ممالک نے وہاں کی پروازیں جاری رکھیں تو یہ وبا ہزاروں کلو میٹر دور وہاں بھی پہنچ گئی، پھر جن ممالک نے ان کے یہاں آمد و رفت کی وہ بھی لپیٹ میں آئے، یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ جن ممالک نے سماجی فاصلے کا حکم جاری کرنے میں دیر کی وہاں اس وائرس کا پھیلاؤ تیزی سے ہوا، اور جہاں سماجی فاصلہ کا حکم جلدی جاری ہوا وہاں اس کے پھیلاؤ کی رفتار سست رہی۔ ادھر روزنامہ انقلاب، (۱۹/اپریل) کے ذریعہ معلوم ہوا کہ چین نے مطمئن ہو کر لاک ڈاؤن ختم کر دیا تو پھر ہلاکت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد وہاں کی خبر تا حال موقوف ہے۔

ہم اہل ایمان اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جب دنیا میں خدائے پاک کی نافرمانی بڑھتی ہے تو وبا نازل ہوتی ہے جو کسی کے لیے عذاب ہوتی ہے اور کسی کے لیے ابتلا و آزمائش۔ اللہ قادر ہے کہ ساری دنیا اپنی جگہ ٹھہر جائے تو بھی وہ یہ وبا جہاں چاہے نازل فرما دے مگر دنیا کارخانۂ اسباب ہے، خدائے قدیر نے اشیا کو اسباب سے جوڑ رکھا ہے، بندے کے ذریعہ اسباب پائے جاتے ہیں تو وہ قادر و توانا اشیا کا خلق فرما دیتا ہے، وہ تخلیق میں اسباب کا قطعًا محتاج نہیں مگر کائنات عالم میں اس کا دستور یہی جاری ہے کہ عمومًا اسباب کے نتیجے میں خلق فرماتا ہے، اس اعتقاد کے پیش نظر ہم مان سکتے ہیں کہ ”ووہان“ میں کسی خاص سبب کے نتیجے میں ”جدید کورونا وائرس“ پیدا ہوا، پھر وہاں سے آمد و رفت کے نتیجے میں دنیا کے ۱۸۵ ملکوں تک پہنچ گیا اور آج اس کی وجہ سے دنیا میں کہرام بپا ہے۔ یہ خبر متواتر ہے، اور واقعات و تجربات اس کے شاہد ہیں۔

یہاں آپ سوچ سکتے ہیں کہ حدیث پاک میں ”لَا عَدْوٰی“ آیا ہے، یعنی: ”کوئی بیماری ایک سے منتقل ہو کر دوسرے کو نہیں لگتی“ اور یہ لا نفی جنس کے لیے ہے جو ہر طرح کی بیماری بشمول کورونا وائرس کو شامل ہے اور یہ تو وائرس کے حق میں تعدیہ وانفیکشن ماننا ہے۔

تو عرض ہے کہ کورونا وائرس در اصل کوئی مرض نہیں، مرض تو ایک خاص قسم کی جسمانی کیفیت کا نام ہے جو عرض ہے اور یہ وائرس اللہ کی ننھی ننھی مخلوق ہیں جو جوہر ہیں، تو یہ

مرض نہیں، اسبابِ مرض ہیں جیسے جوویں سر میں کھجلی کا سبب ہوتی ہیں مگر وہ خود کھجلی نہیں ہیں اور یہ قرب واختلاط کے باعث ایک کے سر سے دوسرے کے سر میں منتقل ہو جاتی ہیں اسے حدیث پاک لا عَدویٰ کے منافی نہیں سمجھا جاتا تو اسی طرح وائرس کی منتقلی کو بھی حدیث مذکور کے منافی نہیں سمجھنا چاہیے ہاں وائرس کی منتقلی چھینک وغیرہ کی ہوا سے ہوتی ہے۔

جوویں اور وائرس میں فرق یہ ہے کہ جوویں سر کی آنکھوں سے بغیر کسی آلے کی مدد کے نظر آتی ہیں اور وائرس خاص قسم کے خوردبینی آلے سے ہی نظر آتے ہیں، میں نے خود بھی ایک نوع کے وائرس کو خوردبین کے ذریعہ مشاہدہ کیا ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ جوویں سر اور کپڑے میں رہ کر اپنا کام کرتی ہیں وہ منہ کے اندر نہیں جاتیں مگر یہ وائرس اندر جاتے ہیں اور اپنا بسیرا پھیپھڑا میں بناتے ہیں۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ جوویں سر، بدن اور کپڑے میں رہتی ہیں جب کہ کورونا وائرس فضا میں بھی منتقل ہو جاتے ہیں، ۱۳/ اپریل ۲۰۲۰ء کے انقلاب ص ۹ میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:

"طبی ماہرین نے کورونا وائرس کے مریضوں کے وارڈ سے ہوا کے نمونوں کا جائزہ لینے کے بعد انکشاف کیا ہے کہ کورونا وائرس تیرہ فٹ تک فضا میں سفر کر سکتا ہے، واضح رہے کہ اب تک چھ فٹ کا فاصلہ رکھنے کی تاکید کی جا رہی تھی جب کہ حالیہ تحقیق میں ثابت ہوا کہ یہ وائرس تیرہ فٹ تک فضا میں سفر کر سکتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق چینی محققین کی تحقیقات کے ابتدائی نتائج جمعہ کو امریکی مرکز کے جریدے "سی، ڈی، سی، میں شائع ہوئے۔"

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ "جدید کورونا وائرس" کسی بیماری کا نام نہیں، یہ تو جاندار جراثیم ہیں جو اللہ کی ایک نئی مخلوق ہیں، ان کی وجہ سے جسم کے اندر ایک مہلک بیماری پیدا ہوتی ہے مجازاً اس بیماری کو بھی کورونا وائرس کہنے لگے، مختصر یہ کہ کورونا ایک حقیقی جسم ہے، جاندار ہے، جیسے بہت سے انتہائی چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے حقیقی جسم اور جاندار ہیں، یہ اگر کسی ذریعہ سے ایک جگہ

سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں تو اسے حدیث نبوی: ''لا عدویٰ'' کے مخالف نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح بیماری کے وائرس مثلاً جدید کورونا وائرس بھی چھینک اور تھوک وغیرہ مادی اسباب کے ذریعہ دوسرے کی ناک یا منھ میں چلے جائیں، پھر وہ کسی خطرناک یا مہلک بیماری کا سبب بن جائیں تو اسے بھی حدیث نبوی: ''لا عدویٰ'' کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیے[1] اسباب کے ذریعہ مسبب کا وجود ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے اس کا انکار نہیں ہونا چاہیے، حدیث پاک میں مرض کے تعدیہ کی نفی کی گئی ہے، وائرس اور جراثیم کے تعدیہ کی نفی نہیں کی گئی، منہاج شرح صحیح مسلم میں ہے:

إنّ حديث ''لا عدوى'' المراد به نفي ما كانت الجاهليّة تزعمُه و تعتقده أنّ المرض و العاهة تعدّى بطبعها، لا بفعل الله تعالى.(شرح صحيح مسلم، ج:۲، ص: ۲۳۰)

ترجمہ: حدیث لا عَدویٰ سے مراد زمانۂ جاہلیت کے اس اعتقاد کی نفی ہے کہ بیماری اور وبا بذات خود دوسرے کو لگ جاتے ہیں، نہ کہ اللہ تعالیٰ کے فعل اور تاثیر سے لگتے ہیں۔

اس طرح حدیث بھی قیامت تک کے لیے صادق رہتی ہے اور وائرس کے مشاہدہ و حقیقت کا انکار بھی نہیں ہوتا۔ علماے کرام کو اس معروضے پر بہت ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدّس سرّہ نے اپنے رسالۂ مبارکہ ''الحقُّ المجتلیٰ'' میں یہی وضاحت فرمائی ہے کہ بیماری اڑ کر ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل نہیں ہوتی، یہ نہیں فرمایا ہے کہ جراثیم ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل نہیں ہوتے۔ آج کے اطبّا اور ڈاکٹرس اسی کے قائل ہیں کہ جراثیم کا انفیکشن ہوتا ہے، جراثیم منتقل ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں کہتے کہ عین بیماری ہی منتقل ہو جاتی ہے اور وہ جو کچھ کہتے ہیں آنکھوں سے دیکھ کر کہتے ہیں، وہ الکٹران مائیکرو اسکوپ کی مدد سے اس ننھی مخلوق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ ان کے یہاں ایک مسلّمہ حقیقت ہے، ہاں وہ

(۱)- کورونا وائرس کے تعلق سے درج ساری معلومات عالی جناب ڈاکٹر زبیر صدیقی صاحب ایم، بی، ایس، ایم، ایس لکھنو نے سن کر تصدیق کی اور ایک مقام پر اضافہ بھی کرایا۔ ۱۲ منہ

مجازاً اسے بیماری کا انفیکشن بولتے ہیں اور اس طرح کا مجاز ہماری بول چال میں بھی شائع و ذائع ہے۔

لاے نفی جنس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جنس کے تحت جتنے افراد آتے ہیں سب کی نفی کر دی گئی، مگر جو چیزیں جنس کے دائرے سے باہر ہیں ان کی نفی نہیں ہوتی، مشہور مثال ہے: "لا رجلَ في الدّار "گھر میں کوئی مرد نہیں، یہاں لا نفی جنس کے لیے ہے تو اس سے جنس مرد کے ہر فرد سے گھر میں ہونے کی نفی ہو گئی، مگر اس سے عورت کی نفی نہیں ہوئی کیوں کہ وہ مرد کی جنس سے نہیں ہے۔ اسی طرح سمجھیے کہ لا عَدویٰ میں جنس مرض کی نفی کی گئی ہے اور وائرس یا جراثیم جنس مرض سے نہیں، جنس حیوان سے ہیں، انکار حدیث کے فتنے سے آپ بے خبر نہیں ہوں گے اس تشریح پر کلام کرتے وقت اسے ضرور پیش نظر رکھیے گا۔

تیسری دلیل: موذی کو اندیشہ ایذا کی وجہ سے مسجد آنے کی ممانعت ہے تاہم اس سے اذن عام اور صحت جمعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یوں ہی کورونا وائرس سے اندیشہ ایذا کی بنا پر لوگوں کی بھیڑ کو مسجد میں آنے کی ممانعت ہے اور اس سے اذن عام اور صحتِ جمعہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

و يُمنع منهُ كلّ موذٍ و لو بلسانه. (الدر المختار، أحكام المسجد)

ترجمہ: مسجد سے ہر موذی کو روکا جائے اگرچہ وہ زبان سے ایذا دے۔

جو لوگ نماز سے پہلے کچا لہسن، کچی پیاز یا کچا گندنا کھا لیتے جس کے باعث منہ سے بدبو آتی، انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد جانے سے روک دیا کہ ان کے منہ کی بدبو سے فرشتوں اور نمازیوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ تو حدیث در اصل کچا لہسن، کچی پیاز، کچا گندنا (مولی کی طرح کوئی سبزی) کھانے والے کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس کو بنیاد بنا کر ہمارے علمانے ہر موذی کو روک دیا، یہاں تک کہ جو زبان سے ایذا دے مثلاً مسجد میں گالی گلوچ بکے اسے بھی منع فرما دیا۔

بعد میں ہمارے علمانے یہی حکم ہر بدعقیدہ کے بارے میں بھی جاری فرمایا کیوں کہ وہ مسجد

میں آکر اپنی بدعقیدگی کی تبلیغ کر سکتا ہے جو لہسن کی بدبو کی ایذا سے بڑھ کر ہے۔

تشریح و تفہیم: اب غور فرمائیے،

- جو بدعقیدہ اپنے مذہب کی تبلیغ سے جُڑے ہیں وہ تو موقع پاکر اپنا کام شروع کر دیں گے۔
- اور کچھ بدعقیدہ جو تبلیغی مزاج رکھتے ہیں ان کے متعلق بھی یہ گمان ہو سکتا ہے۔
- مگر ان کی اکثریت کا حال ان دونوں سے الگ تھلگ ہے، وہ نماز پڑھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، پھر مسجد کے گیٹ پر یہ اعلان بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں کوئی تبلیغ نہ کرے، اس کے بعد اول کے سوا کوئی تبلیغ کی جرأت نہ کرے گا، مگر کیا اس طرح کا اعلان لگانے کے بعد وہ ممانعت ختم ہو جائے گی، ہرگز نہیں، آخر کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عام افراد کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ یہ لوگ، یا ان میں سے کوئی تبلیغی ہے یا نہیں، ہو سکتا ہے ان میں کوئی تبلیغی ہو، پھر ہو سکتا ہے کہ اسے کبھی تبلیغ کا موقع مل جائے تو اپنا کام شروع کر دے، یہاں بدعقیدگی کی تبلیغ کا شبہہ ہے جو ناشی عن دلیل ہے اس لیے علما نے مطلقاً ممانعت فرما دی۔

کچھ ایسا ہی حال "جدید کورونا وائرس" کا بھی ہے جو اپنے مضر اثرات اور ہلاکت خیزی کے لیے آج پوری دنیا میں مشہور ہے دنیا کی حکومتوں نے سماجی فاصلہ قائم رکھنے کے لیے لاک ڈاؤن کا لازمی فرمان جاری کر کے سب کو گھروں کے اندر محصور کر دیا ہے، روزنامہ انقلاب ص ۹ شمارہ ۲۱ / اپریل کے مطابق آج دنیا کی چار ارب آبادی اپنے گھروں میں محدود ہے۔ ہمارے ملک میں اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بری طرح پیٹا جا رہا ہے، گرفتاری بھی عمل میں آرہی ہے، ڈرون کیمرے سے اس پر نظر بھی رکھی جا رہی ہے، دفعہ ۱۴۴ پورے ملک میں نافذ کر کے کسی بھی جگہ ۴، ۵ سے زیادہ آدمیوں کو اکٹھا ہونے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے، یہ سب کچھ یہ مان کر کیا جا رہا ہے کہ کورونا وائرس ایک دوسرے کے ساتھ رہنے، ملنے جلنے، خلط ملط ہونے سے منتقل ہوتا اور پھیلتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ وائرس چین کے شہر ووہان میں پیدا ہوا اور پروازوں کے ذریعہ دوسرے ممالک کے لوگوں کے وہاں جانے، آنے سے واسطہ در واسطہ دنیا کے بڑے حصے

میں پھیل گیا۔ آج ۲۵ لاکھ سے زیادہ لوگ اس کے مریض ہو چکے ہیں اور ایک لاکھ اسّی ہزار ہلاک ہو چکے، یہ سب کچھ باہم انسانوں کی بھیڑ بھاڑ اور آمد و رفت سے ہوا، حکومت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسجدوں میں ہزاروں لوگ جمعہ کے لیے جائیں گے تو ان میں کچھ افراد کورونا کے مریض بھی ہو سکتے ہیں تو ان کے ساتھ خلط ملط کی وجہ سے ان کے جراثیم (وائرس) دوسروں کے بدن میں اور ان سے ان کے ساتھیوں اور اہل خانہ، وغیرہ کے بدن میں منتقل ہو سکتے ہیں، پھر ان کے ذریعہ کثیر نامعلوم افراد اس خطرناک وائرس کے شکار ہوتے رہیں گے لہٰذا ضرر عام سے حفاظت کے لیے دفعہ ۱۴۴ مسجدوں میں بھی سختی کے ساتھ نافذ کر دیا گیا۔

یہ صحیح ہے کہ ہزاروں لوگ جو مسجدوں میں آئیں گے ان کے بارے میں بس یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ وہ یا ان میں سے کچھ لوگ کورونا کے مریض ہوں گے، مگر یہ شبہہ ناشی عن دلیل ہے سیکڑوں واقعات اور تجربات شاہد ہیں کہ لوگوں نے موہوم محض سمجھ کر اس سے بے اعتنائی کی، حسب معمول بھیڑ بھاڑ جاری رکھی اور کورونا وائرس کی زد میں بڑی طرح آ گئے یہاں تک کہ بہت سے کورونا کے معالج بھی کورونا کے مریض اور متعدّد لقمۂ اجل بن گئے، ان واقعات اور تجربات کی بنا پر یہ شبہہ بہت قوی ہو جاتا ہے تو جیسے فتنے کے شبہہ ناشی عن دلیل کی بنا پر عہد صحابہ و تابعین کی خواتین کو جماعت پنج گانہ اور جمعہ و مسجد سے روک دیا گیا اور جیسے ایذا کے شبہہ ناشی عن دلیل کی بنا پر عام بدمذہبوں کو جمعہ، جماعت و مسجد سے روک دیا گیا ویسے ہی کورونا وائرس کے شبہہ ناشی عن دلیل کی بنا پر حکومت نے چند افراد کے سوا عامۂ ناس کو جمعہ و جماعت و مسجد سے روک دیا۔

چوتھی دلیل، تجربات کثیرہ اور اخبارِ متواترہ سے تمسک: جدید کورونا وائرس اب تک کے واقعات، تجربات اور اخبار متواترہ کے مطابق جب سے انسانوں میں آیا ہے انھی میں پایا جاتا ہے اور انھی سے انھی میں پھیلتا ہے، ٹیسٹ سے پہلے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں کورونا زدہ ہے، اور فلاں نہیں ہے کیوں کہ یہ بڑی خاموشی کے ساتھ منہ کے اندر جا کر حلق میں چھپا رہتا ہے پھر

تدریجاً اپنی کمین گاہ سے حملہ کرتا ہے اسی لیے دنیا اس سے بے خبر رہی اور پروازوں کی آمد و رفت، اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے بڑی سرعت کے ساتھ یہ دنیا کے ۱۸۵ ملکوں میں پہنچ گیا، یہ تجربات اور اخبار متواترہ شاہد ہیں کہ بھیڑ بھاڑ، میل جول، اور خلط ملط اس خطرناک بیماری کے اسباب ہیں۔ بیوع میں متعدّد امور میں جہل کے باعث عقد کو ممنوع و ناجائز کہا گیا ہے کیوں کہ وہ مُفضی اِلی النزاع (جھگڑے کا سبب) ہوتا ہے اور یہ تو مُفضی الی الھلاک (ہلاکت کا سبب) ہے آج کی تاریخ میں اس سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ اسّی ہزار کے قریب پہنچ رہی ہے جب کہ اس کے مریضوں کی تعداد ۲۵ لاکھ سے متجاوز ہو چکی۔

الغرض بے شمار واقعات و تجربات اور اطبائے عالم کے یکساں نظریات و تحقیقات اور دنیا کی حکومتوں کا ان کے مطابق یکساں کارروائی پر اتفاق اور اصحاب عقل و فہم کا بلا انکار نکیر تسلیم و سکوت انسانوں کی بھیڑ بھاڑ سے پیدا ہونے والے اندیشۂ ضرر کو متحقق کے درجے میں کر دیتا ہے جس پر عام ابواب میں بھی شرعی احکام کی بنا رکھی جاتی ہے کتب فقہ میں اس کے شواہد دیکھے جا سکتے ہیں۔

اخبار متواترہ حجت ہیں، واقعات عامہ و تجربات کثیرہ حجت ہیں، اطبائے عالم کا اتفاق اور عقلائے عالم کا قبول و سکوت بھی حجت ہے اس پس منظر میں کورونا وائرس کے تعدیہ وانفیکشن کا جائزہ لیجیے تو اطمینان ہو جائے گا کہ یہ وائرس حقائق ثابتہ سے ہیں، مشاہدات سے ہیں، حیوان اصغر ہیں اور کچھ مادّی اسباب کے ذریعہ ادھر ادھر پھیلتے ہیں۔ بلا شبہہ، ہمیں ہر حال میں اللہ کی ذات پر توکل رکھنا چاہیے مگر توکل نفیِ اسباب کا نام نہیں ہے۔

یہ بات میری فہم قاصر میں آئی اور مجھے امید ہے کہ یہ صواب ہے اور بہر حال میں اس پر اللہ عزّ و جلّ کا شکر ادا کرتا ہوں وھو المُستعان، و هو حسبي و نعم الوكيل. یہ اس مسئلے میں ایک نئی دلیل کا اضافہ ہے، اس لیے اس پر کوئی کلام نہیں ہے۔

ایک اشکال کا حل اور تفہیم: یہاں ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہزاروں کی بھیڑ

بھاڑ سے جو اندیشۂ ضرر پایا جاتا ہے وہ پانچ افراد کی بھیڑ بھاڑ سے بھی پایا جاتا ہے پھر پانچ کی اجازت کیوں دی گئی؟

تو عرض ہے کہ:

اوّلاً: یہ وضاحت تو سرکاری حکام سے پوچھنا چاہیے جنھوں نے یہ فرق کر کے عمل درآمد کو لازمی کیا ہے، مفتی نے بس اپنی یہ ذمہ داری نبھائی ہے کہ جو ممنوع ہے اسے ممنوع قرار دیا اور جو مجاز ہے اس کی اجازت دی ہے۔

ثانیاً: ہم جن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں ان کے پیش نظر اسے بھی غنیمت سمجھنا چاہیے کہ پانچ افراد کے ذریعہ جمعہ و جماعت قائم کرنے کی اجازت ہے اس سے یہ دینی فائدہ تو ہے کہ مساجد آباد رہیں گی، شعائر قائم رہیں گے۔ ہر بات میں ردو انکار کی خو اچھی نہیں، کم سے کم اقامت شعائر کے اذن پر تو سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ ارشاد نبوی: ''فَأْتُوْا مِنْهُ مَا استطَعْتُمْ'' ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

ثالثاً: خدام فقہ پر روشن ہے کہ کثیر مقامات پر قلیل معاف ہوتا ہے اور کثیر مبنائے احکام۔ جس کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، یہاں بھی قلیل کی اجازت دینے کا کچھ سبب ہو سکتا ہے جو ڈاکٹروں سے کوئی بھی سمجھ کر اپنی تشفی کر سکتا ہے۔

یہ بندۂ بے مایہ یہ سمجھتا ہے کہ چار، پانچ افراد کے اجتماع سے روکا نہیں جا سکتا کہ کچھ کم و بیش ہر گھر میں اتنے افراد رہتے ہی ہیں ''ہم دو، ہمارے دو'' کے اصول پر بھی یہ اجتماع ناگزیر ہے اور جو ناگزیر ہو قانون اس سے صرف نظر کرتا ہے۔

رابعًا: مسجد میں جو پانچ افراد جمع ہوئے وہ معلوم و متعیّن ہیں ان میں سے کسی کو خدانہ خواستہ یہ مرض ہوا تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے رابطے میں کون کون لوگ رہے ہیں اس طرح طبی حراست (کوارنٹائن) میں رکھ کر سب کا علاج ہو سکتا ہے لیکن اگر ہزاروں لوگوں کا ازدحام ہوا اور ان سے ہزاروں لوگ رابطے میں رہے تو سب کا حال معلوم کرنا مشکل ہو گا اور اس طرح

بیماری کنٹرول سے باہر ہو جائے گی جیسا کہ امریکہ، اسپین، اٹلی، برطانیہ، وغیرہ میں ہوا۔ خدا محفوظ رکھے۔(۱)

خامساً: ہر کام نہ حکومت کرے گی، نہ حکومت کا عملہ، کچھ ہمیں بھی کرنا چاہیے۔

جن لوگوں کو کھانسی، زکام، بخار، سانس کی تکلیف ہو ان سے گزارش کی جائے کہ وہ اپنے گھر پر نماز پڑھیں اور جماعت قائم کرنے کے لیے چار، پانچ صحت مند افراد کا تعین کر دیا جائے تو پھر ان پانچ افراد میں وائرس کا اندیشہ کم سے کم ہو جائے گا۔ مشکل گھڑی کو اس طور پر گزارنا چاہیے کہ مسجدیں آباد رہیں، شعائر اللہ قائم رہیں، وائرس کا اندیشہ بھی امکانی حد تک کم ہو اور قانون شکنی بھی نہ لازم آئے۔

اے چمن والو، چمن سے یوں گزرنا چاہیے
باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی

ضروری آگاہی: **(الف)** جتنے دلائل مذکور ہوئے ان سب میں ایک خاص بات یہ بھی جوڑ یئے کہ لاک ڈاؤن اور دفعہ ۱۴۴ پر عمل درآمد کے لیے پولیس اور اعلیٰ حکام پوری طرح مستعد ہیں جہاں کوئی اس کی خلاف ورزی کرتا ہے پولیس کا عملہ مسجد میں گھس کر ایک ایک کو بُری طرح سے مار مار کر نکالتا ہے اور امام و نمازی زخمی حالت میں رسوا ہو کر کراہتے ہوئے نکلتے ہیں، یہ

---

(۱)- کورونا وائرس کے تین مراحل ہیں: **پہلا** یہ کہ وائرس زدہ ملک یا شہر سے کوئی آیا تو اسے طبی حراست میں رکھا جائے کہ اس کے مبتلائے وائرس ہونے کا خطرہ زیادہ ہے۔ **دوسرا** یہ کہ جو لوگ اس کے رابطے میں رہے وہ بھی معلوم ہوتے ہیں انھیں بھی اسی شبہے کی بنا پر طبی حراست میں رکھا جائے گا، یہ دونوں مدتِ مقررہ (۱۴ سے ۲۱ دن) تک ٹھیک رہے تو ڈسچارج کر دیا جائے گا، ورنہ باضابطہ علاج ہوگا۔ **تیسرا** مرحلہ یہ کہ وائرس زدہ ملک یا ملکوں یا شہروں سے بہت سے لوگ آئے اور سب آزادی کے ساتھ ملک میں گشت کرتے رہے اس طرح سے ہزاروں لوگ ہزاروں سے ملے، پھر یہ بے احتیاطی و بے توجہی ہر صوبے اور خطّے میں رہی تو اس کا حل لاک ڈاؤن ہے، اس مرحلے میں ہر شخص شک کے دائرے میں آجاتا ہے لہٰذا سب کو روکا جاتا ہے، قلیل کا استثنا مقدور العلاج ہونے کی وجہ سے قابل لحاظ نہیں۔ ۱۲ منہ

کسی سے مخفی نہیں، جس نے نہ دیکھا وہ انٹرنیٹ پر دیکھ سکتا ہے، یا اپنے طور پر تحقیق کر سکتا ہے، لہٰذا ہمیں کورونا وائرس کے ضرر کو بہر حال اس ضرر شدید سے جوڑ کر دیکھنا چاہیے، یہ ضرر کورونا کے خوف کا ہی مظہر ہے۔

جمعہ کی عظمت شان کا عالم یہ ہے کہ ایک ہفتہ کے بے نمازی بھی جمعہ کے روز اپنے کاروبار بند کر کے مسجد ضرور آتے ہیں اس لیے جب دروازہ کھلا رہے گا تو مسلمان شوق جمعہ میں مسجد آنے کی کوشش ضرور کریں گے اور آنے کی صورت میں وہی بھیانک انجام سامنے آئے گا، ہم نے لاک ڈاؤن کے پہلے جمعہ میں دروازے کی کنڈی نہ لگانے کی اجازت دی تھی مگر جب بھیانک نتائج سامنے آئے تو دوسرے جمعہ سے دروزاہ بند کرنے کی اجازت دے دی۔

ہماری شریعت کا ایک اصول "سدِّ ذرائع" بھی ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مگر "سَدِّ ذرائع" داب ہے اُن کی شریعت کا

بھیانک نتائج آنکھوں کے سامنے آ چکے، اس کے بعد ہمارے پاس سوال آتا ہے کہ مسجد کا دروازہ بند کر دیں، یا کھلا رکھیں؟

ہم نے سوچا اگر قوم علما کی ہدایت پر گھروں میں تنہا تنہا ظہر پڑھنے پر صبر کر لے تو ضرور دروازہ کھلا رہنا چاہیے، مگر ہم نے لوگوں کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سَدِّ ذرائع کے طور پر باب مسجد بند کرنے میں ہی عافیت ہے ورنہ علما و ائمہ کا سر کبھی بھی اور کہیں بھی شرم سے جھک سکتا ہے اور قوم ذلیل و رسوا ہو سکتی ہے، ہمیں حالاتِ زمانہ اور احوال ناس پر نظر رکھنے کا بھی حکم ہے اور فقہی اصول و فروع سے وابستہ رہنے کا بھی۔ اس لیے

ہم نے سب کو دیکھا، پرکھا، سمجھا اور جو کچھ سمجھا وہ سب آج آپ کی خدمت میں پیش بھی کر دیا، جب مجھے ہر طرح سے اطمینان ہو گیا کہ غلقِ باب کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے تو پھر توکّلاً علی اللہ وہ فتویٰ جاری کر دیا کہ:

جہاں ممکن ہو دروازہ ہلکا سا کھلا رکھیں اور اگر یہ سمجھیں کہ اس میں دقت آسکتی ہے تو دفعِ ضرر کے لیے دروازہ بند رکھ سکتے ہیں، جمعہ صحیح ہو گا۔

جنھوں نے اس پر عمل کیا محفوظ رہے اور جو اس سے غافل ہوئے مشقت میں پڑے، خدائے پاک انھیں اور سب کو اپنے لطف و کرم سے نوازے۔ آمین

(ب) حکومت کے اعلیٰ حکام، پولیس کا عملہ اور ان کے ذمہ داران کورونا وائرس کے اندیشۂ ضرر اور پھیلاؤ سے بچنے کے لیے زیادہ بھیڑ بھاڑ سے روکتے ہیں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہوا، اور کمیٹی یا ٹرسٹ کے افراد ایک تو وائرس کے اندیشۂ ضرر اور پھیلاؤ سے بچنے کے لیے زیادہ بھیڑ بھاڑ سے روکتے ہیں، دوسرے پولیس کی زد و کوب اور قانونی کارروائی سے تحفظ کے لیے بھی روکتے ہیں اور بہر حال پولیس کا یہ عمل نماز یا لازم نماز سے روکنے کے لیے نہیں ہے بلکہ وائرس کے پھیلاو سے روکنے کے لیے ہے اس لیے حکام، پولیس، ٹرسٹ، کمیٹی سب کا یہ عمل براہ راست یا بالواسطہ کورونا وائرس سے بچنے، بچانے کے لیے ہی ہے تو غلقِ باب (دروازہ بند کرنا) بھی سدّ ذرائع کے طور پر اسی کورونا سے ہی بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔

مضمرات اور درخشاں جلوے: (۱) پہلی دلیل در مختار کے جزئیہ کے یہ دو کلمات ہیں:

● وَغلقُهٗ لمنع العدوّ لا المصليّ. ● لو لم يغلق لكان أحسن.

پہلے جز میں صاحب در مختار نے اشارۃً بھی اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے کہ نمازیوں پر دشمن کے حملے کا خطرہ متحقق ہے، یا مظنون بظن غالب ہے، یا مشکوک و مشتبہ ہے، لیکن اسی جزئیے میں فوراً بعد یہ فرما کر کہ "دروازہ بند نہ کیا جائے تو زیادہ اچھا ہے" واضح کر دیا ہے کہ یہاں دشمن کے حملے کا خطرہ مشکوک و مشتبہ ہے۔ یہ مضمر نہیں ہے، بلکہ اس کا جلوۂ نور حق تک رسائی کے راستے روشن کرتا ہے مگر عدم التفات کے باعث مخفی رہ گیا۔

(۲)۔دوسری دلیل عورتوں کو مسجد اور جمعہ و جماعت سے روکنے کا مسئلہ ہے جس کی دلیل ہدایہ میں لِمَا فيه مِن خوفِ الفتنة سے دی گئی ہے کہ عورتوں کو مسجد کی حاضری میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

(الف) فتنے کبھی عورت کی نگاہ و دل سے اٹھتے ہیں اور کبھی فاسقوں کی بدنیتی و بدنگاہی سے۔

یہ مختصر عبارت دونوں فتنوں کو شامل ہے اور دونوں کو ہی حکم ممانعت کی علت قرار دیتی ہے خواہ یہ فتنہ تنہا تنہا پایا جائے یا اجتماعی طور پر۔ تنہا تنہا ہو تو بھی حکم ممانعت اس کے ساتھ گردش کرے گا اور کہیں دونوں کا اجتماع ہو تو یہ حکم بدرجۂ اولیٰ گردش کرے گا۔ اور دونوں صورتوں میں چوں کہ فتنے کا محل عورتیں ہیں اس لیے ممانعت انھیں کو ہوئی۔

(ب) اس فتنے کے مختلف ادوار ہیں:

● خیر القرون ● دورِ حیا، کہ بدن پر پوشاک برقرار ہو ● دورِ عریانیت، یہ موجودہ دور ہے ● مابعد عریانیت، جس کا ذکر احادیث میں ہے۔

عہد صحابہ سے لے کر قرب قیامت تک کے یہ چار ادوار ہیں اور ہدایہ کی عبارت میں ان چاروں ہی ادوار کا احاطہ کیا گیا ہے۔

☆ "قرن مقدس" میں وہ دونوں طرح کے فتنے مشتبہ تھے پھر بھی ممانعت ہوئی

☆ "عہدِ حیا" میں ان فتنوں کے دواعی بہت بڑھ گئے تو ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہوئی۔

☆ "عہد عریانیت" میں یہ فتنہ ایک حد تک مظنون بظن غالب سمجھا جاتا ہے تو ممانعت ضرور بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔

☆ "مابعد عریانیت" اللہ کی پناہ، جب فتنہ شکل مجسم میں موجود ہوگا تو اُس وقت ممانعت بدرجہا اولیٰ ہوگی۔

ہر قرن اور عہد کے مفتی اس کلام وجیز و جامع سے استدلال کر سکتے ہیں، ہم نے اپنے استدلال کی بنیاد قرن مقدس کے احوال پر رکھی ہے۔

(۳) تیسری دلیل "وَ يُمنع منه كلّ موذٍ" ہے جو در مختار کی عبارت ہے، لفظ موذی مشتق ہے، اس لیے علتِ ممانعت "ایذا" قرار پائی۔

ہم نے اپنے فتوے میں موذی کی ایک نوع اجماعی کے تین احوال بیان کیے ہیں جو واقعہ

کے مطابق ہیں، پھر تیسرے درجے کے افراد کے حکم سے استدلال کیا ہے اور کثیر یہی تیسرے درجے کے احوال والے ہیں، یہاں مُوذی کے عموم میں بدمذہب کا شمول متفق علیہ ہے اور لفظ موذی بدمذہب کے تینوں احوال کا حکم بیان کرتا ہے کسی حال کا بطور شبہہ اور کسی کا بطور ظنِّ غالب، ہمارا استدلال ''موذی مشتبہ'' سے ہے۔ اور ان تمام مقامات پر شبہہ سے مراد شبہہ ناشی عن دلیل ہے۔

ہمارا مقصود اس شرح و بیان سے بس یہ ہے کہ جو لوگ ان دلائل کو سمجھنا چاہتے ہیں وہ سمجھ کر مطمئن ہو جائیں، اور اللہ راضی رہے، نہ کسی کی تنقید، نہ کسی کا رد۔

نہ غرض کسی سے ، نہ واسطہ ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے، تیری فکر سے، تیری یاد سے، تیرے نام سے

ہم سب کے خیر خواہ ہیں اور سب کے لیے دعاے خیر کرتے ہیں۔ و ما علینا إلّا البلاغ المبین.

خلاصۂ کلام

اور تمام مسلمان بھائیوں سے مؤدبانہ گزارش

۱- امکانی حد تک قانون کی خلاف ورزی سے بچنا واجب ہے اس لیے لاک ڈاؤن اور دفعہ ۱۴۴ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں اور اپنے وقار و شعار کو بچائیں۔

۲- ہم نے اپنے موقف پر نظر ثانی کرلی، وہ الحمد للہ حق ہے جیساکہ اس تحریر سے عیاں ہے، موجودہ حالات اور تجربات کی روشنی میں دروازہ بند کر کے مخصوص تعداد میں لوگ جمعہ پڑھیں، تاکہ شعار قائم رہے۔

۳- ہمیں احساس ہے کہ آپ کو جماعت جمعہ میں حاضری کا بے پناہ شوق ہے، یہی حال رمضان کی جماعتِ پنج گانہ اور جماعتِ تراویح کا بھی ہے، ان سے محرومی سوہانِ روح سے کم نہیں، لیکن خداے کریم کی رحمت سے امید رکھیے، جو لوگ کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے محروم

ہو رہے ہیں امید ہے کہ رب کریم انھیں محروم نہ فرمائے گا، اور رمضان کی جماعت جمعہ، جماعتِ پنج گانہ، جماعتِ تراویح سب کا ثوابِ عظیم عطا فرمائے گا۔

اس لیے آپ جماعت کے لیے مسجد کے پاس یا کہیں بھی ہجوم نہ کریں، اپنے گھروں میں جماعت سے یا تنہا اخلاص کے ساتھ سب نمازیں پڑھیں خدائے پاک کے خزانۂ کرم میں کوئی کمی نہیں ہے۔

محمد نظام الدین رضوی

صدر المدرسین وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

کرونا کرفیو کے زمانے میں مسجدیں "صالح اذن عام" ہیں یا نہیں ؟

بند دروازے میں "اذن عام" کے ثبوت کے بارے میں جواب سے فارغ ہوا، تو پھر "صالح اذن عام" کے نام سے ایک اصطلاح پر نظر رک گئی، جو دراصل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ کی فقہی گہرائی کا نتیجہ تھی۔ اس زاویے سے جب غور کیا تو اس کا ظاہری مفہوم یہ سمجھ میں آیا کہ آج کی مسجدیں صالح اذن عام نہ رہیں۔ چناں چہ ذی علم افراد سے رہنمائی حاصل کرنے کی نیت سے اس کے بعد یہ تحریر جاری کی:

آج ہماری مسجدیں "صالحِ اذنِ عام" ہیں بھی یا نہیں ؟

نماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم دینے سے قبل اس جہت پر از سر نو غور کر لینا از حد ضروری ہے

عالمی وبا کرونا وائرس کے خطرناک بڑھتے اثرات کے پیش نظر آج دنیا بھر میں حیرت انگیز اور پُر ہول سناٹا چھایا ہوا ہے۔ سبھی ڈاکٹرز اور دانش وران نے اس نکتے پر اتفاق کر لیا ہے کہ اس وبا کو روکنے کا سب سے پہلا طریقہ اور فوری علاج یہ ہے کہ بھیڑ بھاڑ والے مقامات کو بند کر کے لوگوں کو تنہا اور الگ تھلگ رہنے کا پابند بنا دیا جائے، پھر کیا تھا آناً فاناً اس پر عمل کی کوششیں شروع ہوئیں اور دنیا میں خاموشیوں کا پہرا لگ گیا، ادھر مسلم مذہبی علاقوں سے مسلسل یہ سوال پوچھا جانے لگا کہ بھیڑ لگانے کی اجازت نہیں اور ہماری نماز جمعہ بغیر اجتماع و ازدحام کے نہیں ہوتی ۔ بدائع الصنائع میں ہے: "تُسَمَّى الْجُمُعَةُ لِاجْتِمَاعَاتِ الْجَمَاعَاتِ فِيْهَا" تو اب کیا کیا جائے —— اس کے نتیجے میں مسلسل ایک ہفتے سے ذی علم افراد کے درمیان "اذن عام" کے تحقق ہونے اور نہ ہونے کے سلسلے میں گرما گرم بحث جاری ہے۔

اس پر صاحبانِ فقہ و افتاء کی بارگاہ میں ایک گزارش یہ ہے کہ "مقیمانِ جمعہ" کی طرف سے اذن عام کے ثبوت کے بارے میں سوچنے کے ساتھ ساتھ اس زاویے پر بھی نظر رہے کہ آج ہماری مسجدیں "صالحِ اذنِ عام" ہیں بھی، یا نہیں ؟ —— اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محققِ بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک فتوٰی راہ نما ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ سے سوال ہوا کہ کلکتہ

کے قلعے میں ملازمت کرنے والے ستر کے قریب مسلمان وہیں نماز جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک "مسلم شخص" نے دوسرے بھائی سے حجت بازی کر کے مار پیٹ کر لی ہے، جس کی پاداش میں وہاں کے کرنیل نے اس "تنہا مسلم شخص" کو مسلمانوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہونے سے روک دیا ہے۔ ایسی صورت میں قلعے کے اندر نماز جمعہ درست ہے یا نہیں؟ جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے "اذنِ عام" سے متعلق دو بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے:

(۱)- مقیمانِ جمعہ کی طرف سے وقت نماز، بہرِ نماز، اہلِ نماز کو اجازت عام حاصل ہو۔

(۲)- جہاں جمعہ قائم کرنے جا رہے ہوں وہ جگہ اذنِ عام کی صلاحیت بھی رکھتی ہو۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحریر مبارک کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"اذن اگرچہ انہی لوگوں کا شرط ہے؛ جو اس جمعہ کی اقامت کرتے ہیں، رد المحتار میں ہے: "المراد الإذن من مقيمها" مگر پر ظاہر کہ تحققِ معنیٰ اذن کے لیے اس مکان کا "صالحِ اذنِ عام" ہونا بھی ضرور، ورنہ اگر کچھ لوگ قصر شاہی، یا کسی امیر کے گھر میں جمع ہو کر بہ اذان و اعلان، جمعہ پڑھیں، اور اپنی طرف سے تمام اہل شہر کو آنے کی اجازتِ عامہ دے دیں مگر بادشاہ، امیر کی طرف سے دروازوں پر پہرے بیٹھیں ہوں، **عام حاضری کی مزاحمت ہو، تو مقیمین کا وہ اذن عام محض لفظِ بے معنیٰ ہوگا۔ وہ زبان سے "اذن عام" کہتے اور دل میں خود جانتے ہوں گے کہ یہاں اذن عام نہیں ہو سکتا ـــــ اگر اجازت سو، پچاس، یا ہزار دو ہزار کسی حد تک محدود ہے، اگر تمام جماعات شہر جانا چاہیں نہیں جانے دیں گے، تو وہ مکان بندش کا ہے اس میں جمعہ نہیں ہو سکتا۔"**

(فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعہ، ج:۶، ص:۲۱۰-۲۱۱ امام احمد رضا بریلی شریف)

نمایاں الفاظ کو بار بار پڑھنے اور غور کرنے سے بادی النظر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آج مسجدوں کو ویران ہونے سے بچانے کے لیے جن محدود افراد کو اجازت ملی ہے، وہ اگر جمعہ قائم کریں، اور اذنِ عام کا بھی دعویٰ کریں تب بھی "اذنِ عام" ثابت نہ ہو گا۔ کیوں کہ اس کا دوسرا بنیادی پہلو "اس جگہ کا صالح اذنِ عام ہونا" مفقود ہے۔ یہی مجبوری جیل اور قلعہ میں نماز جمعہ

اور قیام کے بارے میں سوچنے والوں کو درپیش ہوتی ہے کہ مقیمینِ جمعہ اذنِ عام دیں بھی تو اس کا تحقق نہیں ہو پاتا۔

کل جمعہ کا دن ہے، ایسے ماحول میں جمعہ فرض ہے یا ظہر؟ از سر نو غور کے بعد فوری رہنمائی کی ضرورت ہے۔ فَتَدَبَّرُوْا یَا اُوْلِی الْبَاب۔

از: فیضان سرور مصباحی۔
اورنگ آباد، بہار، انڈیا۔
بروز جمعرات ۷ شعبان ۱۴۴۱ھ
مطابق ۱۲ اپریل ۲۰۲۰ء

جامعۃ المدینہ – نیپال کے سینئر اساتذۂ کرام میں سے ایک نام **مفتی محمد وسیم اکرم رضوی مصباحی** کا آتا ہے۔ آپ طلبہ و اساتذہ کے مابین بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ اس سے پہلے اسی رسالے میں بند دروازے میں "اذن عام" کے جواز و عدم پر آپ کا بھی فتویٰ گزرا ہے، ماشاءاللہ فقہی جزئیات پر آپ اچھی نظر رکھتے ہیں۔ -زاده الله علما وفضلا- آپ نے "صالح اذن عام" سے متعلق میری استفسار پر جو خیر خواہانہ انداز میں رہنمائی فرمائی، وہ ہدیۂ قارئین ہے:

آپ کی یہ تحریر "آج ہماری مسجدیں صالح اذن عام ہیں بھی یا نہیں؟" پڑھ کر خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مزید برکت عطا فرمائے۔

لیکن اس میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ اس پر آپ بھی غور فرمالیں۔

اس میں چوں کہ قلعہ کا مالک قلعہ کے اندر آنے سے روک رہا ہے اور مسجد بھی قلعہ کے اندر ہی ہے تو لامحالہ مسجد آنے سے روکنا پایا گیا۔

اور منعِ اذن کا معنی: "المنع عن الدخول" ہی ہے نہ کہ "المنع عن الذهاب إلى

المسجد كما لصاحب السجن.''

جب کہ ابھی جو صورت ہند کی ہے وہ ''المنع عن الذهاب الى المسجد'' کی ہے، کیونکہ مسجد کسی قلعہ میں نہیں کہ جس کا مالک آنے سے روکے کہ قلعہ سے روکنا مسجد آنے سے روکنا کہلائے بلکہ لوگ قیدی کی طرح ہیں جنہیں مسجد جانے سے روکا جا رہا ہے اور یہ المنع عن الذهاب الي المسجد ہے جو کہ منعِ اذن نہیں۔ واللہ اعلم

اس پر راقم الحروف فیضان سرور مصباحی عرض گزار ہوا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مفتی صاحب قبلہ!

اس خرد نوازی پر ہم شکر گزار ہیں۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ آپ سے دعا کی درخواست کی جاتی ہے۔

حضور عالی!

چند باتیں جنھیں میں سمجھ سکا، آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

(۱)- اس قلعے میں باضابطہ ''مسجد'' نہیں ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ کوئی نماز کی جگہ متعیّن کر رکھی ہو گی۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ کے متعلقہ سوال میں ہے:

''مسجد اندر نہیں ہے، جماعت اذان کے ساتھ ہوتی ہے۔''

(۲)- ''منعِ دخول'' - اور - ''منعِ ذہاب'' کا فرق اس سے پہلے بھی آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ جس کی روشنی میں بہت سے مسائل سمجھنے میں آسانی ہوئی۔ اور بعد میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ کے ایک فتوی میں بھی اس کو پالیا تو خوشی دوچند ہو گئی۔ ــــــ ف: جزاك الله خيرا.

یک صفحی تحریر میں، میں نے وضاحت کر دی ہے کہ:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ''اذنِ عام'' سے متعلق دو بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے:

(الف) مقیمانِ جمعہ کی طرف سے وقتِ نماز، بہرِ نماز، اہلِ نماز، کو اجازت عام حاصل ہو۔

(ب) وہ جگہ جہاں جمعہ قائم کرنے جا رہیں ہوں وہ جگہ اذنِ عام کی صلاحیت بھی رکھتی ہو۔

میرے خیال میں یہاں پر ''منعِ دخول'' -اور ''منعِ ذہاب'' کا فرق پہلی شق میں منطبق ہو گا۔ دوسری شق ''صالح اذن عام'' میں نہیں اور مجھے بحث اسی دوسری شق سے ہے۔

مثلاً کوئی جگہ ''صالحِ اذن عام'' ہے۔ اور ''مقیمینِ جمعہ'' کی طرف سے اذن عام بھی ہے۔ مگر پھر بھی بعض کو مقیمینِ جمعہ کے علاوہ کسی ظالم یا حاکم نے جانے سے روک دیا۔ تو یہ ''منع ذہاب'' اذن عام کو باطل نہ کرے گا۔ کیوں کہ ''منع دخول'' سے اذن عام باطل ہوتا ہے۔ اس سے نہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ صراحتاً فرماتے ہیں:

ثانیاً: اگر ثابت ہو جائے کہ یہ قلعہ اذن عام کا مکان ہے، تو جب تک کسی شخصِ خاص کو حاضریِ نماز سے ممانعت نہ تھی جمعہ بیشک صحیح ہو جاتا تھا اب کہ اُس ملازم جرنیل کو منع کیا گیا تو محلِ نظر ہے کہ یہ ممانعت ان مقیمان جمعہ کی طرف سے بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ اُسے جمعہ میں آنے سے منع نہیں کرتے اگر چہ اور نمازوں میں مانع ہوں اگر چہ کرنیل نے اُسے جمعہ سے بھی جبراً روکا ہو یا وہ خود بخوفِ کرنیل نہ آتا ہو تو ان صوتوں میں بھی صحتِ جمعہ میں شک نہیں کہ جب مقیمین جمعہ کی طرف سے اذنِ عام اور وہ مکان بھی اذن عام کا صالح تو کسی شخص کو غیر جمعہ سے تو روکنا یا جمعہ میں اُس کا خود آنا یا کسی کا جبراً اُسے باز رکھنا قاطع اذن عام نہیں ہو سکتا۔ (فتاویٰ رضویہ: ج: ۸، ص: ۷)

اوپر پیش کردہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ''منعِ دخول'' -اور - ''منعِ ذہاب'' کا فرق تب ہے۔ جب کہ پہلے اس جگہ کا ''صالح اذن عام'' ہونا متحقق

ہو جائے۔ اور آج کی مسجدیں "صالح اذن عام" نہیں لگتیں۔

اب یہاں پر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ برسوں سے جو مسجدیں "صالح اذن عام" رہی ہیں۔ اور اس کے بعد مقیمان جمعہ کی طرف سے "اذن عام" بھی پایا جاتا رہا ہے۔ آج اس کی "صالحیت" کیوں کر ختم ہو جائے گی؟

اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر ہر جمعہ اپنے آپ میں مستقل جمعہ ہے۔ جس طرح ہر ہر نماز اپنے آپ میں مستقل نماز ہے۔ اس کو ماقبل والے حالت سے جوڑ کر نہیں دیکھا جاسکتا۔

چناں چہ انسان صحیح ہوتا ہے تو اس کے حالات کے پیش نظر احکام کچھ ہوتے ہیں۔ اور ضعیف و بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے احکام کچھ اور ہی ہو جاتے ہیں۔

آج کی حالت کے پیش نظر کرونا کرفیو والے ماحول میں سبھی جانتے ہیں کہ بھیڑ لگانے کی اجازت نہیں۔ حتیٰ کہ عبادت گاہوں میں بھی جبری طور پر یہ قانون نافذ کر دیا گیا ہے۔ اور ایسے ماحول میں اصلاً قانون یہ ہے کہ عبادت گاہیں سرے سے بند رہیں۔ مگر چوں کہ لوگوں کا اپنی اپنی عبادت گاہوں سے جذباتی طور پر لگاؤ ہوتا ہے اس لیے معطلی سے بچانے کے لیے چار پانچ اشخاص کو اجازت دی گئی ہے۔

اب یہ چار پانچ نمازی جب خود ہی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ وہ مسجد میں آسکیں۔ بطور رخصت وہ مسجدوں میں آتے جاتے ہیں۔ تو پھر ان سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ ایسی صورت میں یہ جگہ (گو کہ مسجد شریف ہی ہو) اس لائق نہیں رہی کہ ہم سب کو یہاں بلا سکیں۔

اور یہ حالت بالکل قلعہ و جیل والی حالت کے مماثل ہوئی، کہ وہاں کے نمازی بھی یہی سوچتے ہیں کہ "ہمیں اجازت نماز مل گئی یہی کافی ہے۔ اور جمعہ کے خیال سے دوسروں کو بلانے کا سوچ لیں۔ تب بھی ہم یہ نہیں کر سکتے۔" کیوں کہ نماز جمعہ کے لیے مقیمین یہاں "اذن عام" دے بھی دیں تو حکومتی عملہ کے آگے وہ بے بس و مجبور ہوں گے۔ اور آج کی مساجد کا حال اس سے جدا نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

عام حاضری کی مزاحمت ہو، تو مقیمین کا وہ ”اذن عام“ محض لفظِ بے معنیٰ ہوگا۔ وہ زبان سے ”اذن عام“ کہتے اور دل میں خود جانتے ہوں گے کہ یہاں اذن عام نہیں ہوسکتا.... اگر اجازت سو پچاس، یا ہزار دو ہزار کسی حد تک محدود ہے...... اگر تمام جماعاتِ شہر جانا چاہیں نہیں جانے دیں گے، تو وہ مکان بندش کا ہے اس میں جمعہ نہیں ہوسکتا۔“ (فتاوٰی رضویہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعہ، ج:۶، ص:۲۱۰-۲۱۱ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسجد تو نماز کے لیے خاص ہے اور قلعہ و جیل کسی اور ہی کام کے لیے۔ تو پھر مسجد کے معاملے کو قلعہ و جیل پر کیوں قیاس کیا جارہا ہے؟

اس پر سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ بلاشبہ مسجد نماز کے لیے خاص ہے۔ ”مگر جمعہ مسجد کے ساتھ ہی خاص ہو ایسا نہیں ہے۔“ ”مسجد میں قیام جمعہ کے سلسلے میں گو کہ مسجد کو یک گونہ اولویت حاصل ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے مسجد کے ساتھ ہی جوڑ کر دیکھا جائے۔

نماز جمعہ کے لیے اصل یہ ہے کہ مصر و فنائے مصر کے کسی خاص جگہ (جو ”صالح اذن عام“ ہو) سلطان، یا اس کا قائم مقام، یا پھر اعلم علمائے بلد جمعہ قائم کرنے کی کسی کو اجازت دے دے، اب یہ جگہ مسجد بھی ہوسکتی ہے جیل بھی اور قلعہ بھی۔ اس معاملے میں سب برابر ہیں مسجد کا اختصاص نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر سلطان مسجد کے بجائے اپنے قلعہ ہی میں نماز جمعہ کی اجازت عام دے کر جمعہ منعقد کرلے تو یہ جمعہ صحیح ہوگا۔ــــــہاں یہ الگ بات ہے حق مسجد سے گریز کے بنا پر شرعا یہ ناپسندیدہ و مکروہ عمل ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں مکان میں بھی ہوسکتا ہے جب کہ شرائط جمعہ پائے جائیں اور اذن عام دے دیا جائے لوگوں کو اطلاع عام ہو کہ یہاں جمعہ ہوگا اور کسی کے آنے کی ممانعت نہ ہو۔

کافی امام نسفی میں ہے: "السلطان إذا اراد ان يصلي بحشمه في داره فان فتح بابها و أذن للناس إذنا عاما جازت" یعنی: اگر سلطان چاہتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز جمعہ ادا کرے تو اگر اس نے دروازہ کھلا رکھا اور لوگوں کو اذنِ عام تھا تو جائز ہے۔

تو اگر صورت یہ تھی وہ لوگ مصیب ہوئے، ہاں اگر وہاں مسجد جمعہ موجود تھی اس میں نماز نہ ہوئی اور گھر میں قائم کی تو کراہت ہوئی۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۱۰۲)

خلاصۂ کلام یہ کہ مستقل ہر ہر جمعہ کے لیے اذن عام کی دونوں شقوں کا پایا جانا ضروری ہونا چاہیے۔ اور کرونا کرفیو کے دور میں آج کے جمعہ میں "صالح اذن عام" کی شرط مفقود نظر آتی ہے۔ مقیمان جمعہ چاہ لیں پھر بھی سب کو اذن نہیں دے سکتے۔ وہ اس سے عاجز ہیں۔ قلعہ و جیل کی صورت حال بھی یہی ہوتی ہے۔ مجبوری و معذوری کے اسباب گو جدا جدا ہوں۔

پھر مسجد اور قلعہ و جیل نفس شرائط اور قیام جمعہ میں برابر ہیں۔ ہاں مسجد جامع کو اولویت حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پیش کردہ معروضات میں ہم سے چوک ہو رہی ہے تو ضرور تنبیہ فرمائیں۔

دعا جو:

فیضان سرور مصباحی

۸ / شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

اس پر حضرت مفتی وسیم اکرم رضوی مصباحی نے ارشاد فرمایا:

اس وقت لوگوں کی کیفیت قلعہ کے باہر رہنے والے کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ قید میں رہنے والے کی طرح ہے۔ وہ اس طرح کے انہیں صرف مسجد آنے سے نہیں روکا جا رہا ہے، بلکہ گھر سے نکلنے ہی سے روکا جا رہا ہے۔

اگر ایک شخص کو بھی وقت جمعہ مسجد آنے سے روکا جائے تو اذن عام کے منافی ہے۔ لیکن وہیں حکومت پچاسوں کو قید میں ڈال دے تو بھی منافی نہیں۔ نہ ہی اس کی وجہ سے صلاحیتِ

اذن ختم ہوجاتی ہے۔

لوگوں کو اپنی ضروریات لینے کے لیے بس صبح ٦ سے ١١ بجے تک کی اجازت ہے وہ بھی دکانوں میں ایک ساتھ بھیڑ لگانے کی اجازت نہیں، بلکہ دوری بنا کر کھڑے رہنے کا حکم ہے۔

اس اعتبار سے لوگ قیدی کی طرح ہیں کہ کہیں نہیں جاسکتے۔ بس گھر پر ہی رہنا ہے بس فرق اتنا ہے کہ لوگ جیل میں قید رہنے کے بجائے گھر میں قید ہیں۔ تو ان کا حکم وہی ہونا چاہیے جو ایک قیدی کا ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس "ہدایت نامہ" کے بعد اب میرے لیے خامشی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے شکریہ کے ساتھ "اذن عام" کا قائل بنا رہا۔

تـــــمـــــت بـــالخـــــیر

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَـذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ.

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اور میرے لیے وسیلۂ نجات بنائے۔

آمین. یارب العالمین. بجاه سید المرسلین صلوات الله تعالی وسلامه علیه وعلی آله وصحبه أجمعین.

فیضان سرور مصباحی

١٢ر رمضان المبارک ١٤٤١ھ

ناشر: زمزم اکیڈمی، مبارک پور

تقسیم کار: روشن مستقبل، دھلی